قال اللہ تعالیٰ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی

زمانہ حضرت آدمؑ سے آج تک کعبۃ اللہ کے تعمیری دور اور

حرمین شریفین کی تعمیر و تاسیس کی مکمل تاریخ

تاریخ حرمین

از

حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی

شائع کردہ

مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد

ٹنڈو اللہ یار

قال اللہ تعالیٰ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي

زمانۂ حضرت آدمؑ سے آج تک کعبۃ اللہ کے تعمیری دور اور حرمین شریفین
کی تعمیر و تاسیس کی مکمل تاریخ

تاریخ حرمین

از

حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی

شائع کردہ

مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ٹنڈو اللہ یار

طابع ——————— عزیزم خواجہ عبدالاحد سلمہٗ قرآن محل کراچی

ناشر ——————— قاری محمد سعد کاندھلوی

تعداد اشاعت ایک ہزار

قیمت 8.00

بہ ذیل پتہ سے طلب فرمائیں

قاری محمد سعد کاندھلوی

مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد

ٹنڈو اللہ یار

مغربی پاکستان

فہرست مضامین "تاریخ حرمین"

عنوانات	صفحہ
تعمیر حجاج بن یوسف۔	۴۶
حجاج بن یوسف کے بعد تعمیر بیت اللہ کے دور۔	۴۸
بیت اللہ کے تعمیری زمانوں کی اجمالی فہرست۔	۴۹
گیارہویں صدی ہجری کی ابتداء میں تعمیر بیت اللہ۔	۵۰
گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں تعمیر بیت اللہ۔	۵۱
بیت اللہ کی تعمیر میں درمیانی مدتوں کے فاصلے۔	۵۲
خانہ کعبہ کی بلندی اور دیواروں کی پیمائش۔	"
حجر اسود۔	۵۴
باب کعبہ۔	۵۶
میزاب کعبہ۔	۵۷
حطیم دراصل بیت اللہ ہی کا ایک حصہ ہے۔	۶۰
کعبۃ اللہ کی دیواروں کا پشتہ۔	۶۱
غلاف کعبہ۔	۶۲
منبر مبارک مسجد حرام۔	۶۴
مسجد حرام دور جاہلیت اور ابتداء اسلام میں۔	"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد حرام کی پیمائش۔	۶۹
مسجد حرام کے توسیعی دور۔	۷۰
سلطان مراد کی تعمیر میں حرم شریف کے ستون محرابیں اور قبے	۷۴
قدیم حرم شریف کے دروازے اور مینارے۔	۷۶

پیش لفظ

میرے نہایت ہی مخلص اور ہمدرد دوست محترم الحاج چوہدری بشیر احمد صاحب نے گذشتہ سال سفر حج سے واپسی پر ملاقات فرمائی تو موصوف نے حرمین شریفین کی تاریخ پر کچھ لکھنے کیلئے فرمایا۔ موصوف اگرچہ اس سے قبل بھی متعدد بار حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے سرفراز ہوئے ہیں۔ مگر اس مرتبہ کی واپسی پر ایسے اس شوق اور تقاضا کو میں نے ان کے پاکیزہ ایمانی جذبات اور حب نبوی میں اضافہ اور برکت کا باعث سمجھا۔

میں اپنی مصروفیات کے باعث موصوف محترم کے کئی مرتبہ اظہار شوق کے باوجود وقت نہ نکال سکا۔

گذشتہ ماہ کی آخری تاریخوں میں ایک رات قبل از فجر ناچیز نے ایک خواب دیکھا جس کا ذکر مناسب نہیں سمجھتا۔ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی یہ سطریں لکھنے بیٹھ گیا۔ دعا ہے کہ خداوند عالم اس ناچیز تحریر کو مجھ گناہ گار کے لئے ذریعۂ نجات و مغفرت فرمائے۔ ناچیز اور جملہ قارئین کرام کے لئے کعبۃ اللہ حرم نبوی رب العالمین اور رسول رب العالمین کی معرفت و محبت کا سامان بنائے آمین۔

بندہ ناچیز محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ لہٗ
۱۸ رجمادی الاول ۱۳۹۰ھ ہجری۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

ایمان وعقیدت اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کے جذبات کے ساتھ۔

بارگاہ رسالت

میں

نذرانۂ اخلاص وعقیدت

قَالَ اللّٰہُ تعَالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ

وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ

مُصَلًّی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ اجمعین ۔

زمین کے اس مقدس حصہ کی عظمت و فضیلت جہاں کعبۃ اللہ قائم ہے

روئے زمین کا کوئی ٹکڑا اس سرزمین سے زائد عظمت و برتری کا مستحق نہیں ہو سکتا جو حرم مقدس اور مکہ مکرمہ کے اس مقدس مقام کو حاصل ہے۔ جہاں اللہ کا گھر کعبۃ اللہ موجود ہے جو حق تعالیٰ شانہ کی کبریائی اس کی شان ربوبیت اور توحید کا عظیم مرکز ہے جس سرزمین سے آفتاب رسالت طلوع ہوا۔ اور تمام عالم کو اس کی نورانی شعاعوں نے روشن و منور کر دیا۔ جس وقت کہ تمام عالم گمراہی کی تاریکیوں میں مبتلا اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے پتھروں کی عبادت و پرستش میں لگا ہوا تھا اسی سرزمین سے لوگوں کے کانوں میں یہ صدائے حقانیت پہنچی اور اعلان توحید "یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم" نے خواب غفلت سے بیدار کرتے ہوئے اس بات سے آگاہ کیا کہ عبادت تو صرف اسی رب کی کرنی چاہیئے جو تمام انسانوں کا خالق اور کل کائنات کا مالک ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سرزمین میں اپنی ذریت کو چھوڑتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں اس طرح التجا کی تھی۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی	اے ہمارے پروردگار بے شک میں نے
بواد غیر ذی زرع عند بیتک	اپنی ذریت کو ٹھہرا دیا ہے ایک ایسی

المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔ وادی میں جو بے آب و گیاہ ہے تیرے محترم کعبہ کے قریب اے میرے پروردگار صرف اس غرض کیلئے کہ یہ نماز قائم کریں تو اے اللہ تمام دنیا والوں کے دل ان کی جانب مائل ہونیوالے بنادے۔ اوران کو رزق عطا فرما انواع ثمرات سے امید ہے کہ یہ شکر گذار ہونگے۔

عبادت حق تعالیٰ شانہٗ کا وہ حق ہے جو بندہ پر فطری اور عقلی طور پر عائد ہوتا ہے فطرت سلیم اور عقل صحیح اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق کے ساتھ مربوط اور وابستہ رہے اور اسکی صورت سوائے عبادت کے اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ عابد جس وقت عبادت کا فرض بجالانے کا قصد کرے اس کا طبعی میلان ہوگا کہ وہ اپنے معبود کی طرف رخ کرکے عبادت میں مصروف ہو۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا کیونکہ خداوند عالم جہت وسمت اور مکان سے منزہ اور پاک ہے وہ مخلوق اور حادث کے ساتھ کسی طرح کی بھی مشابہت اور مماثلت نہیں رکھتا وہ بجائے اس کے کہ مخلوق کی طرح کسی مخصوص مکان اور جہت میں سمائے اس کی شان عظمت وکبریائی تو یہ ہے۔

وھو الذی فی السماء الہ و فی الارض الہ۔ کہ وہ ذات خداوندی آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے۔ وھو اللہ فی السمٰوات و فی الارض۔ اس وجہ سے اللہ کی حکمت اس بات کو متقاضی ہوئی کہ روئے زمین میں ایک جگہ اپنے انوار و تجلیات خاصہ کے لئے متعین کردی جائے تاکہ بندہ بحالت عبادت اپنا چہرہ اس طرف کرکے عبادت کرے۔ چنانچہ خانہ کعبہ انسانوں کے لئے اپنے انوار و برکات اور تجلیات کا مرکز بنا کر حکم دیا۔

فاینما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔ اے مسلمانوں تم جہاں بھی کہیں ہو تم سب نمازیں کعبہ ہی کی طرف اپنا چہرہ پھیر لیا کرو۔ مشرق ومغرب شمال وجنوب غرض ہر سمت سے

مسلمانوں کے چہرے بحالت عبادت بیت اللہ کی طرف کر دئے گئے ۔ اور تمام عالم کی توجہات کا مرکز اصلی بنا دیا گیا کہ جس طرح مقناطیس کی طرف کشش ہوتی ہے اسی طرح تمام عالم کے مسلمانوں کی اسی طرف توجہ اور کشش ہو رہی ہے۔ گویا تمام دنیا کے لئے جس طرح یہ جگہ نقطۂ متوسط ہے اسی طرح اس جگہ کو قلبی توجہ اور عبادت کے لئے قطب اور مرکز قرار دیا گیا۔

اسی بنا پر کہ یہ جگہ اللہ تعالےٰ کے انوار و تجلیات کا مرکز اور مظہر ہے اس کی عظمت و محبت مسلمانوں کے دلوں میں سمائی ہوئی ہے ۔ اور زمین کے ایک ایک کنارہ سے لوگ والہانہ انداز محبت و عقیدت کے ساتھ کھینچ کھینچ کر وہاں پہنچتے ہیں۔ عقیدت و محبت کے یہ جذبات حق تعالیٰ شانہٗ کے اس فرمان کی پوری پوری شرح ہے ۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلّٰی (بقرہ)	اور جبکہ بنایا ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے واسطے مرجع اور امن کی جگہ اور (یہ حکم دیا گیا) کہ بناؤ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ ۔

اگرچہ تمام کائنات خدا تعالیٰ ہی ملک اور مخلوق ہے ۔ اور وہ خود ایسی ذات ہے کہ جو مکان اور گھر سے پاک ہے، اور جو عبادت گاہیں معنوی لحاظ سے ان کو خدا کا گھر کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں مسجدوں کو بیت اللہ یعنی خدا کے گھر کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن اس اعتبار سے کہ حق تعالیٰ کی تجلیات و انوار کا خاص مرکز یہی ہے اسی کا نام "بیت اللہ" قرار پایا۔ اب روئے زمین کی کسی مسجد کو بیت اللہ کے لقب سے نہیں تعبیر کیا جاتا ۔ اور اسی وجہ سے حق تعالےٰ نے خانہ کعبہ کو فرمایا میرا گھر جیسا کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ۔

اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔	کہ اے ابراہیم و اسمٰعیل تم میرے گھر کو پاک کر دو طواف کرنے والوں کیلئے اور عبادت میں کھڑے

پڑھنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے۔

یہ بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ انسان میں حق تعالےٰ نے دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں ایک عقل اور دوسرے شوق و محبت۔ یہ دونوں قوتیں انسان کے واسطے بمنزلہ دو پاؤں کے ہیں جو اس کو منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ منزل مقصود تک پہنچانے کے واسطے نہ تنہا عقل کافی ہے اور نہ صرف شوق۔ حکماء صرف عقل کی رہنمائی کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرات انبیاء عقل کے ساتھ شوق اور جذب سے بھی کام لیتے ہیں۔ جو منازل عقل سے سالہا سال میں طے نہیں ہو سکتیں شوق یا عشق ان کو دم بھر میں طے کرا دیتا ہے۔ اور صورت یہ ہوتی ہے ع ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند۔

پہلے دور کے راہب عقل کو بالائے طاق رکھ کر محض شوق اور عشق کو اپنا پیشوا بنا لیتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بہت سی عملی و اعتقادی غلطیوں کا شکار بنتے۔ ان دونوں قوتوں کا امتزاج خصوصیت سے نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا نمایاں اور امتیازی نشان ہے۔ کہ آپ کی شریعت میں جس قدر عقل کو معتبر رکھا گیا ہے (یہی وجہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں کہ اس کو خلاف عقل کہا سکے) اسی قدر عشق پر بھی مدار رکھا ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائیگا تو ہر عبادت الہٰی دو جز[illegible]ل سے مرکب ملے گی۔ مثلاً نماز میں خداوند عالم کی ثنا و صفت اور اس سے سوال استعانت عقل کے مطابق بلکہ عین مقتضائے عقل ہے۔ اور اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا کبھی رکوع میں جھکنا اور کبھی سجدہ میں گر جانا یہ مقتضائے شوق و محبت ہے۔ اسی طرح حج میں بھی اس کی حمد و ثنا اور صفت اور دعا و استغفار عقل کے مطابق ہے۔ اور عاشقانہ ہیئت بنا کر جس کو احرام کہتے ہیں اس کے گھر کے ارد گرد چکر لگانا اور ان وادیوں میں گھومنا منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں بآواز بلند لبیک اللھم لبیک پکارنا یہ سب کچھ شان عاشقی ہے۔ تو حق تعالےٰ شانہٗ نے اس گھر یعنی بیت اللہ کو ایک طرف نماز میں استقبال کا رخ بنا کر اپنی عظمتوں کا اس کو

مرکز بنایا تو دوسری طرف اس کے طواف اور حجر اسود کو چومنے کا حکم دے کر اپنی شان محبوبیت کا مظہر اتم بنا دیا۔

قرآن مجید نے بیت اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ۔	بیشک سب سے پہلا وہ گھر جو لوگوں کیلئے (عبادتگاہ) بنایا گیا یقیناً وہ گھر (یعنی کعبہ سرزمین بکہ (مکہ) میں ہے جو بابرکت ہے، اور ہدایت ہے تمام جہانوں کیلئے جس میں (قدرت خداوندی کی) کھلی کھلی نشانیاں (منجملہ ان کے) مقام ابراہیم (بھی) ہے۔

ابن جریر طبری اور حافظ عماد الدین نے اس کی تفسیر میں روایات ذکر کرتے ہوئے فرمایا اس گھر کا سب سے پہلے روئے زمین پر بنایا جانا بحیثیت اس کے ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اگرچہ بعض اقوال مفسرین اس طرح بھی منقول ہیں کہ درحقیقت یہی جگہ سب سے پہلی عمارت ہے اور بلکہ زمین کی تخلیق کا آغاز بھی اسی سے ہوا۔

علامہ یاقوت حموی نے ابن عباسؓ سے ایک روایت میں یہ مضمون بیان کیا ہے کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ایک ہوا چلائی ہوا نے پانی کی لہروں کو شق کیا۔ اور پانی کی سطح پر ایک بلبلہ نمودار ہوا جو قبہ کی سی شکل کا تھا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اسی سے تمام زمین کو مرکب فرمایا اور سطح زمین پانی پر بچھا دی۔ زمین جب حرکت کرنے لگی تو اللہ تعالےٰ نے اس پر پہاڑوں کو قائم فرما دیا۔ جو میخوں کی طرح زمین کو جما دینے والے ہوئے۔ سعید بن المسیب اور مجاہد سے بھی بعض روایات میں اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ یاقوت نے اس روایت کو تخریج کرتے ہوئے بیان کیا کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ زمین کا جو ٹکڑا خدا تعالےٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ حصہ ہے جہاں کعبۃ اللہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ جگہ روئے زمین کے لیے نقطہ مرکز یہ ہوئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کا قدیم

تاریخی نام اُمّ القریٰ ذکر کیا گیا ہے۔

اس تکوینی مرکزیت کے ساتھ اس سرزمین کی ایمانی اور تشریعی مرکزیت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام تمام دنیا کے مذاہب میں سب سے اعلیٰ اور برتر مذہب ہے، اور انبیاء سابقین کے وہ تمام ادیان و مذاہب جو اللہ کے پیغمبر لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے ان سب کا مرجع اور مرکز یہی سرزمین کعبہ ہے۔ لہذا ہر صاحب مذہب ہدایت و نجات اور رحمت اسی مرکز کے ساتھ وابستگی سے حاصل کر سکتا ہے۔

بہرکیف یہ روایات اگرچہ اسنادی لحاظ سے قوت اور صحت کے مقام تک نہیں پہنچتی ہیں اس وجہ سے بہتر یہی ہے کہ اولیت سے بحیثیت عبادت گاہ کے اول ہونا مراد لیا جائے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکۃ ان ھذا البلد حرمہ اللہ یوم خلق السموات والارض فھو حرام بحرمۃ اللہ الی یوم القیامۃ۔

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز (اپنے خطبہ کے دوران) یہ ارشاد فرمایا بیشک یہ شہر (مکہ مکرمہ) اللہ نے اسکو حرم بنایا ہے اسی روز سے جب سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا لہذا یہ سرزمین اللہ کی حرمت سے حرم ہے قیامت تک کیلئے (اور واجب الاحترام ہے۔)

تو اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ کائنات کی تخلیق کے ساتھ اول ہی سے اس کی حرمت اللہ کی طرف سے مقرر کر دی گئی لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اس قطعۂ زمین کی پیدائش آسمان و زمین کے وجود سے قبل ہے۔ اور اس مقام پر مبارکا ھدی للعالمین کا وصف بھی اسی کا مؤید ہے کہ دنیا میں یہ سب سے پہلا وہ گھر ہے جو عبادت کے لئے بنایا گیا۔

اسرار قبلہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ نے اسرار قبلہ کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ "قبلہ نما" تالیف فرمایا جو معارف و حقائق اور علوم لدنیہ کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ کعبۃ اللہ کے اسرار و حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور عبادت کی حد یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے اور آداب عبودیت بجالائے اس لئے ضروری ہوا کہ عابد و معبود کے میں آمنا سامنا ہو۔ اور آمنا سامنا ہونے کے لئے بظاہر مکان اور جہت درکار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے، کیونکہ وہ خود مکان و زمان کا خالق ہے اور انسان جسم اور روح سے مرکب ہے، عبادت روحانی کے لئے تو کسی جہت اور مکان کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ روح مکانی نہیں ہے روح تو خداوند عالم کی بے چونی و بیچگونی کا نمونہ ہے۔ اس وجہ سے روح کی عبادت کے لئے قلبی اور معنوی توجہ کافی ہے کسی قبلہ اور سمت کی ضرورت نہیں۔ لیکن عبادت جسمانی بدون تقابل جہت کے ممکن نہیں اور انسان مقید فی الجہت ہے اس لئے اس کو یہ حکم دینا کہ جہت سے علٰحدہ ہو کر عبادت کرے نا قابل تصور ہے۔ اور فقط روحانی عبادت کافی نہیں۔ بلکہ روح اور جسم دونوں ہی عبادت کے مکلف ہیں روحانی عبادت کی طرح جسمانی عبادت بھی فرض اور لازم ہے۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ روح تو عبادت کی مخاطب ہو اور جسم معطل رہے۔ اور یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر شخص جس طرف چاہے سجدہ کر لیا کرے اس بنا پر خداوند عالم نے ایک ہی جہت مقرر کر دی کہ جو اس کی طرف عبادت میں اپنا رخ کریں تاکہ ملت کے انتظام (اور اتحاد) میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔ اور سب کی عبادت میں یک جہتی رہے۔ اور حق جلشانہٗ کی ذات

ے بحوالہ تفسیر معارف القرآن جلد دوم اختصار و تلخیص کے ساتھ ۱۲

چونکہ یہ بے چون وچگون ہے اس لئے وہ کسی حد میں محدود اور کسی مکان میں مقید تو نہیں البتہ اس کی تجلی اور پرتو کسی محدود جگہ پر پڑ سکتا ہے جیسے آفتاب کا عکس آئینہ پر پڑتا ہو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ آئینہ فقط ایک مظہر ہے۔ یہ نہیں کہ آفتاب آئینہ کی محدود مساحت میں گھرا ہوا ہے۔ کیونکہ آئینہ کا آفتاب کو اپنی آغوش میں سمالینا تو محال ہے جیسے آنکھ کی پتلی میں جلوہ گر ہوتا ہے بالکل اسی طرح حق تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون وہ حدود و قیود سے منزہ اور پاک ہونے کے باوجود کعبۃ اللہ کو اس نے اپنی تجلی کا مرکز بنالیا۔

قرآن وسنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی حق جل شانہٗ کی اول مخلوقات سے ہے جیسے کہ ارشاد ہے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی تجلی عرش پر ہے چنانچہ ارشاد ہے الرحمٰن علی العرش استویٰ۔ عرش کے بعد اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے زمین کو پیدا فرمایا پھر اس کے بعد آسمان پیدا فرمایا جیسے کہ قرآن مجید میں ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ گویا زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔ اور روئے زمین میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا فرمایا (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔) ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین کی اکثر مفسرین یہی تفسیر فرماتے ہیں۔

اور جس طرح خانہ کعبہ آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی (عالم) میں بھی اول ہے کہ جب اللہ کو قیامت قائم کرنی منظور ہوگی تو بیت اللہ کی عمارت روئے زمین سے اٹھالی جائے گی۔ کیونکہ کعبۃ اللہ تو قیامًا للناس اور بقاء عالم کا ذریعہ ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے ذریعۂ قیام اور علت بقاء موجود ہو اور عالم پر فنا واقع کردی جائے اس وجہ سے عالم کے اس ذریعۂ قیام اور علت بقاء کو دنیا سے اٹھانے کے بعد دنیا کا نظام درہم برہم کیا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں اور یہ تمام دنیا دارالخلافہ ہے اور یہ زمین و آسمان سب کچھ بنی آدم کے لئے ہے اور یہ طریقہ ہے کہ جب کوئی دارالخلافہ آباد کیا جاتا ہے تو پہلے مکانات شاہی کے لئے کوئی جگہ تجویز کی جاتی ہے۔ اور اس کی بنا ڈالی جاتی ہے اس کے بعد امراء و وزراء کے مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں۔ تو اسی طرح خانہ کعبہ قصر شاہی ہے وہ تجلی گاہ ربانی اور آئینہ جمال یزدانی ہے۔ اس وجہ سے اس کو بنانے میں سب سے مقدم رکھا۔ اسی لحاظ سے جب عالم ویران کیا جائیگا تو ویرانی میں بھی سب سے مقدم رکھا جائیگا۔

چنانچہ حدیث میں ہے (بہ سلسلہ بیان علامات قیامت) میں گویا اس وقت اس ایک حبشی سیاہ فام کو جو باریک باریک پنڈلیوں والا ہے دیکھ رہا ہوں کہ وہ بیت اللہ کی دیوار پر چڑھے ہوئے ایک ایک پتھر اتار اتار کر پھینک رہا ہے۔ الغرض فرمان "جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ" جس طرح آبادی عالم میں خانہ کعبہ کی اولیت پر دلالت کر رہا ہے اسی طرح ویرانی عالم میں بھی اولیت پر دلالت کر رہا ہے۔

بیت اللہ عرش الٰہی کی محاذات میں ہے

روایات سے یہ ظاہر ہے کہ بیت اللہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے۔ عطاء اور ابن المسیب کی روایت ہے:۔

ان اللہ عزوجل اوحیٰ الی اٰدم اذا هبطت ابن لی بیتا ثم احفف بہ کما رأیت الملٰئکۃ تحف بعرشی الذی فی السماء۔

(تفسیر قرطبی)

خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ وحی بھیجی کہ اے آدم جب تم زمین پر اترو تو میرے لئے ایک گھر بنانا اور پھر اس کا طواف کرنا جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔

تو خانہ کعبہ جبکہ عرش عظیم کی محاذات میں ہوا تو لا محالہ عرش الٰہی کے انوار و تجلیات کعبۃ اللہ میں منعکس ہوں گے۔ اور عرش عظیم و بیت اللہ کے درمیان فرشتوں کا ایک کعبہ بیت معمور ایک صاف و شفاف آئینہ کے مانند ملائکۃ اللہ کا کعبہ عرش الٰہی کے ان انوار و تجلیات کو بیت اللہ تک اسی طرح منتقل کر رہا ہے جس طرح بلوری آئینوں سے روشنیوں کا انعکاس و انتقال ہوتا ہو۔

.... نیز تمام روئے زمین کی مساجد محاذات کعبہ میں واقع ہیں جیسے کہ ظاہر ہے تو اس لحاظ سے یہ سمجھ میں آ گیا کہ سمت کعبہ کے معنوی رابطہ اور تعلق کی بدولت ہر مسجد کا رخ عرش عظیم کی طرف ہے۔ اور جیسے بجلی کے تاروں کا ایک مرکز سے تعلق ہونے کے باعث وہ تمام تار مرکز کے نور کو اپنی اپنی جگہوں تک پہنچانے والے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح ہر مسجد سمت قبلہ کے توسط سے عرش الٰہی کے انوار و تجلیات کا انعکاس حاصل کر رہی ہے۔ تو روئے زمین کی یہ مسجدیں بجلی کے قمقموں کی طرح ہیں۔ اور ان تمام کا منبع و سرچشمہ کعبۃ اللہ ہے۔ اور کعبۃ اللہ روئے زمین میں تجلیات خداوندی اور عرش عظیم کے انوار کا مرکز ہے۔

تاریخ بناء کعبہ

امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور شیخ ارزقی نے وہب بن منبہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت سے زمین پر اتارا گیا کیونکہ ان کو زمین میں ہی اللہ کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ" تو حضرت آدم علیہ السلام کو تنہائی سے بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی عرض کیا کہ اے پروردگار نہ یہاں کوئی مکان ہے اور نہ کوئی عبادت گاہ ہے اور نہ ہی کوئی سامان ہے تیری عبادت کا کہ ملکر عبادت کی جائے۔

حق تعالیٰ کی بارگاہ سے حکم ہوا کہ اے آدم تم ہماری عبادت کے لئے ایک گھر بناؤ

اور گھر سب گھروں سے اول ہو اس لئے کہ اس کے بعد تمہاری اولاد بہت سے گھر بنائے گی آدم نے عرض کیا کہ اے رب کس جگہ بناؤں۔ جبرئیل نے کعبہ کی جگہ بتائی آدم نے زمین تک پتھروں کی بنیاد چنی اس پر ملاء اعلیٰ کی طرف سے ایک نورانی خیمہ لاکر رکھ دیا گیا۔ (بعض کتب تاریخ میں ہے کہ یہ نورانی خیمہ ملائکہ کا طواف گاہ تھا) آدم علیہ السلام اس کا طواف کرنے لگے اور اسی کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ ایک عرصہ تک یہ خیمہ (بصورت کعبہ) باقی رہا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اس طوفان نے جہاں اور تمام آبادیوں اور عمارتوں کو بہایا اس میں یہ خیمہ بھی ضائع اور مفقود ہو گیا البتہ اس کی جگہ ایک سرخ ٹیلہ باقی رہا۔ جس پر صالحین اور نیک لوگ کثرت سے آتے اور اکثر عبادت اور دعا کرتے رہتے اور عام طور پر اس سرخ ٹیلہ پر اہل ایمان بہت کچھ انوار و برکات محسوس کرتے تھے اور عبادت و دعا کی قبولیت کے آثار کا مشاہدہ کرتے تھے۔

تاریخ ازرقی میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترنے کے بعد نہایت غمگین و بے چین رہے۔ اور شدت غم سے بیقرار ہو کر اس قدر روئے کہ فرشتوں کو ان کے گریہ و بکا پر گریہ طاری ہو جاتا تو خداوند عالم نے جنت سے یہ خیمہ اتار کر زمین پر ان کی تسلی کا سامان مہیا فرمایا۔ اور یہ خیمہ جنت کے سرخ یاقوتوں سے تیار کیا گیا تھا جس میں متعدد قندیل اور نہایت عظیم الشان روشنی تھی اور اسی کے ساتھ رکن یعنی حجر اسود بھی اترا۔ جو اس وقت ایک سفید چمکدار یاقوت تھا۔ فرشتے اس خیمہ کی حفاظت کرتے تھے۔ تاکہ شیاطین و جنات کی آنکھیں جنت کے ان یاقوتوں پر نہ پڑیں۔ فرشتوں کا ایک ہجوم دن رات اسی جگہ رہتا اور اس خیمہ کو اپنے گھیرے میں لئے رہتا اور ہر وقت یہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تحمید اور تہلیل اور کعبۃ اللہ کے طواف میں مشغول و مصروف رہتے فرشتوں کے اس جگہ موجود رہنے کے باعث اس عصہ زمین کو حرم بنا دیا گیا اور جن حد تک فرشتوں کا قیام تھا ان کو حدود حرم قرار دیا گیا اور جنات و شیاطین کے لئے

ان حدود سے تجاوز کرنا اور اس خیمہ کے قریب جانا روک دیا گیا۔ اسی کے یہ آثار ہیں کہ کفار و مشرکین کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمادیا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام اور اسی عظمت و حرمت کی وجہ سے مواقیت مقرر کئے گئے اور احرام کا حکم دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی حیات تک یہ خیمہ اسی طرح رہا۔ ان کے وفات کر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس خیمہ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ لیکن آدم علیہ السلام کے بیٹوں نے اس جگہ پر پتھروں اور گارے سے ایک مسقف مکان کی طرح عمارت بنادی۔ یہ عمارت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی رہی۔ اور طوفان نوح میں جہاں اور تمام دنیا غرق ہو گئی اس کی دیواریں اور پتھر بھی سیلاب کی نذر ہو گئے۔ اس کے بعد اسی طرح زمانہ گذرتا رہا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آگیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم خداوندی ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کریں۔

مؤرخ ازرقی نے بعض روایات کی بنا پر یہ بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر سے جب فارغ ہوئے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے پروردگار ہر مزدور کی اجرت ہوتی ہے اور میں نے بھی چونکہ ایک مزدوری کا کام انجام دیا ہے اس وجہ سے میں بھی اجرت (اور اجر) کا مستحق و طالب ہوں۔ خدا تعالیٰ نے جواب دیا ہاں! اجازت ہے تم کو مانگو آدم علیہ السلام نے کہا تو اے پروردگار جہاں سے تو نے مجھ کو نکالا ہے (یعنی جنت) اسی جگہ واپس پہنچا دے۔ فرمایا گیا بہت اچھا تمہاری درخواست قبول کی جاتی ہے۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام وفات فرما گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح پھر ان کو جنت میں بلا لیا۔

حضرت آدم نے اس دعا کی قبولیت پر یہ بھی عرض کیا کہ اے پروردگار اور میری ذریت میں سے ہر اس شخص کو بھی (میرے ساتھ جنت میں جمع کر دینا) جو اپنے گھر سے نکل کر اس تیرے گھر (خانہ کعبہ) تک پہنچے اور وہ اپنے نفس پر اپنے قصور اور گناہوں کا اقرار کر رہا ہو جس طرح کہ میں نے اپنے قصور کا اقرار کیا تو اے رب العالمین تو اس کی بھی مغفرت

فرمادیا۔ خداوند عالم نے جواب دیا اچھا یہ بھی منظور ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم اس گھر کا طواف کرتے ہوئے کیا کہتے ہو۔ فرشتوں نے کہا ہم یہ پڑھتے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ایک روایت میں ہے کہ حضرت آدم نے فرشتوں سے کہا کہ ان کلمات کے ساتھ یہ کلمے اور زائد کرلو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ تو حضرت آدم طواف بیت اللہ کرتے ہوئے (زیادہ تر) یہی کلمات کہا کرتے تھے۔

عبداللہ بن ابی سلیمان سے ایک روایت میں یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے طواف بیت اللہ کے جب سات چکر پورے کرلئے تو بیت اللہ کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور پھر ملتزم پر آئے اور یہ کہا۔

اللھم انک تعلم سری وعلانیتی	اے اللہ تو جانتا ہے میرا باطن اور میرا ظاہر تو اے
فاقبل معذرتی وتعلم ما فی نفسی	پروردگار تو میرا عذر قبول فرما اور تو جانتا ہے جو کچھ
وما عندی فاغفرلی ذنوبی وتعلم	میرے دل میں ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے لہٰذا اے
حاجتی فاعطنی سؤلی۔ اللھم	میرے رب تو مغفرت فرمادے میرے تمام گناہوں
انی اسئلک ایمانا یباشر قلبی	کی اور اے اللہ تو میری حاجت کو جانتا ہے اسلئے
ویقینا صادقا حتی اعلم انہ	تو مجھ کو میری طلب عطا فرمادے اے اللہ میں تجھ سے
لا یصیبنی الا ما کتبت لی و	سوال کرتا ہوں ایسے ایمان کا جو میرے دل میں پیوستہ اور
رضا من المعیشۃ بما قسمت	رچا ہوا اور سچے یقین کا یہاں تک کہ میں یہ جان لوں
لی۔	کہ مجھے ہرگز کوئی چیز نہیں حاصل ہوسکتی بجز اس کے کہ

جو تو نے میرے واسطے لکھ دی ہے اور اے اللہ میں اس روزی پر رضامند ہوں۔ جو تو نے میرے لئے تقسیم فرمادی ان کلمات دعائیہ کو سنکر خداوند عالم نے فرمایا اے آدم تم نے ایسے کلمات اور دعائیں

کے ساتھ مجھ کو پکارا ہے میں تمہاری ان دعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور تمہاری اولاد میں سے جو بھی ان دعاؤں کے ساتھ مجھ کو پکارے گا میں ضرور اس کے غموں کو دور کروں گا اس کی پریشانیوں کو زائل کروں گا۔ اس کی تنگی اور فقر کو مٹاؤں گا اور غنا و بے نیازی اس کے سامنے کردوں گا۔ اور دنیا اس کے سامنے ناک رگڑتی ہوئی آئے گی خواہ وہ اس کا ارادہ ہی نہ کرتا ہو۔ تو اسی وجہ سے یہ طریقہ سنت طواف ہوا۔ کہ طواف بیت اللہ کے بعد دوگانہ ادا کیا جائے اور یہ دعائیں مانگی جائیں۔

یونس بن بکیر نے عروہ بن الزبیر سے روایت کیا ہے اللہ کے پیغمبروں میں سے کوئی پیغمبر ایسا نہیں کہ اس نے خدا کے گھر کا طواف نہ کیا ہو۔ سب ہی اس کعبہ پر حاضر ہوئے اگرچہ اس کے دیواریں اور عمارت تو ہر زمانہ میں نہیں رہی۔ لیکن اس کے نشانات اور علامات ظاہر کرتے رہے کہ یہ کعبۃ اللہ ہے۔

بعض مورخین[۵] نے بیہقی کی دلائل النبوت سے یہ روایت بیان کی ہے جو عبداللہ بن عمرو رضی سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے جبرئیل کو آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے پاس بھیجا اور یہ حکم دیا کہ تم دونوں میرے واسطے ایک گھر بناؤ اور یہ کہہ کر جبریل نے زمین پر خط قائم کر دئے اور گویا تعمیر کے نشانات لگا دئے۔ حضرت آدم بنیادیں کھودتے جاتے اور حوا مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتی رہی یہاں تک کہ پانی کی سطح تک بنیادیں پہنچ گئیں تو حکم ہوا کہ اب بس کرو جب یہ تعمیر پوری ہو گئی تو اللہ نے وحی فرمائی کہ تم اس کا طواف کرو۔ اور کہا گیا کہ تم دنیا میں سب سے پہلے انسان ہو اور یہ گھر دنیا میں سب سے پہلا گھر ہے۔

مورخین نے بیان کیا کہ بعد میں اسی طرح دور گزرتے گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا اور انھوں نے بھی حج کیا اور اس کعبہ کا طواف کرتے رہے۔

---

۵ شیخ تقی فاسی نے شفاء الغرام میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ۱۲

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں کعبۃ اللہ کی صورت حال!

مجاہدؒ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں آنے والے طوفان نے جہاں تمام عالم کو غرق کر ڈالا تھا اسی میں خانہ کعبہ کی دیواریں اور عمارت بھی منہدم ہو گئی تھی۔ اور عمارتی حیثیت سے اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا۔ البتہ اس جگہ صرف ایک سرخ رنگ کا ٹیلہ باقی رہ گیا تھا جو مدوّر ہیئت کا نظر آتا تھا۔ اس مدور ٹیلہ کی خاص خصوصیت یہ تھی کہ کوئی سیلاب اس پر نہ چڑھتا تھا۔ پانی کا بہاؤ اس کے دائیں بائیں ہو کر گزر جاتا۔ اگرچہ وہ سیلاب اس قدر ہو کہ اس سے بلند چیزیں بھی اس کے بہاؤ میں دب جائیں۔ اور بالعموم لوگ جانتے تھے کہ یہ بیت اللہ کی جگہ ہے۔

مظلوم و مصیبت زدہ اور بے چین و بیمار لوگ یہاں آتے اور دعائیں کرتے تو ان کی دعا قبول ہوتی اور روئے زمین کے کناروں کناروں سے لوگوں کی اس جگہ آمد ہوتی تھی حتی کہ انبیاء سابقین کی روایات کے پیش نظر لوگ حج ادا کرنے کے لئے بھی اس جگہ آیا کرتے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کے لئے یہاں کا ٹھکانہ مقدر فرمایا وہ اس جگہ آکر ٹھہرے اور جب اللہ نے ارادہ فرمایا کہ ان کے ہاتھوں بیت اللہ کی تعمیر ہو تو ان پر بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر کر دی گئیں اور انھوں نے حضرت اسمٰعیل کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔

سفینۂ نوح کا طواف بیت اللہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں اسّی آدمی سوار تھے جن میں خود نوح علیہ السلام کے گھر کے

۵ تفسیر ابن کثیر ج ۲۔

وہ افراد بھی تھے جو ایمان لا چکے تھے۔ اور بیان کیا کہ یہ لوگ اس کشتی میں ایک سو پچاس روز رہے اللہ تعالےٰ نے بحالت طوفان اس کشتی کا رخ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا اور یہ کشتی بیت اللہ کی جگہ پہنچی اور اس حصہ پر پہنچ کر چالیس روز تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی۔ اس کے بعد پھر اس کا رخ اللہ تعالےٰ نے جُودی پہاڑ کی طرف کر دیا جس پر جا کر یہ کشتی ٹھہری۔ ضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہ علاقہ موصل کا ایک پہاڑ تھا۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ جبل طور کا ایک حصہ ہے۔ جودی پر کشتی ٹھہرنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے زمین کی حالت معلوم کرنے کے لئے کوے کو بھیجا۔ بیان کیا کہ کوّا مرداروں پر پڑ گیا۔ اور ان کے گوشت نوچنے اور کھانے میں لگ گیا۔ اس کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے ایک کبوتر بھیجا کہ وہ خبر لائے وہ درخت زیتون کا پتہ لے کر واپس ہوا اور اس کے پنجے مٹی گارے میں بھرے ہوئے دیکھے جس سے نوح علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ زمین سے پانی جذب کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح جودی پہاڑ سے اترے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرزمین مکہ مکرمہ میں آمد۔

طوفان نوح کے بعد جب حضرت نوح کی اولاد دنیا میں پھیلی تو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً دو ہزار دو سو سینتالیس ۲۲۴۷ برس قبل شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآب میں واقع تھا اور بقول بعض کے فرات کے کنارہ پر تھا۔ تو حضرت ابراہیم جو تارح کے بیٹے ہیں جن کو آزر بھی کہا جاتا ہے قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے تھے جو شہر بابل کے کنارہ پر واقع تھا بعض کہتے ہیں کہ خاص شہر بابل میں پیدائش ہوئی۔ وہاں کی کلدانی قوم عموماً بت پرست تھی اور وہ لوگ بت بنا بنا کر بیچا بھی کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم کے باپ بھی بت پرست بلکہ بت تراش تھے۔ اس زمانہ میں لوگ کثرت سے آفتاب و ماہتاب کو بھی پوجا کرتے تھے۔

خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کو ابتدائے عمر ہی سے انوار نبوت سے منور کر رکھا تھا اس وجہ سے وہ ابتدائے شعور ہی سے بت پرستی اور ستاروں کی پرستش کی بڑی شد و مد سے مخالفت کرتے تھے اور خداوند عالم کی خالقیت پر واضح دلائل پیش کرتے تھے۔ چنانچہ نمرود کے ساتھ جوان کا مناظرہ ہوا اور جس طرح انہوں نے نمرود کو خاموش و لاجواب اور مبہوت کیا وہ قرآن کریم میں پارہ تلک الرسل میں الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہٖ سے چند آیات تک بیان کیا گیا۔ وہ اپنے باپ کو ناصحانہ انداز میں سمجھاتے رہے دلائل کی روشنی میں خداوند عالم کی الوہیت و ربوبیت ثابت کرتے رہے۔

نمرود نے ان کو آگ میں بھی ڈالا۔ لیکن خدا تعالیٰ کا آگ کو حکم ہوا یا نار کونی برداً وسلاماً علیٰ ابراھیم۔ چنانچہ وہ آگ ابراہیم علیہ السلام پر برد و سلام بن گئی اور وہ صحیح و سالم آگ سے باہر نکل آئے۔ خدا تعالیٰ کی اس عظیم قدرت کو دیکھ کر کچھ لوگ حضرت ابراہیم پر ایمان لے آئے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم پاکر حضرت ابراہیم اپنی بیوی حضرت سارہ اور اپنے بھتیجے لوط بن حاران کو ساتھ لے کر ملک شام میں آئے اور مقام حرّان میں ٹھہرے۔ قحط پڑنے پر وہاں سے مصر گئے۔ وہاں ایک خبیث بادشاہ نے حضرت سارہ کے حسن و جمال کی شہرت سُنکر بُری نیت سے اپنے یہاں طلب کرالیا۔ لیکن جب بھی بُرا قصد کیا خدا نے اس کے ہاتھوں کو شل کر دیا۔ بالآخر اس نے حضرت سارہ کو مع ساز و سامان واپس کر دیا اور اپنی خواصوں میں سے ایک جمیل اور نوجوان عورت جن کا نام ہاجرہ تھا کو ساتھ بھیج دیا۔ جب ہاجرہ حاملہ ہوئیں تو اللہ کے فرشتے نے بشارت دی کہ اللہ ایک فرزند عطا فرمائے گا جس کا نام اسمٰعیل رکھنا۔ چھیاسی برس کی عمر میں حضرت ابراہیم کو اللہ نے ایک فرزند اسمٰعیل عطا کیا۔ اس کے بعد بعض طبعی امور میں حضرت سارہ کی بعض باتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے باعث گرانی ہوئیں۔ انہی باتوں میں سارہ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسمٰعیل کو کسی جگہ لے جا کر چھوڑ آؤ۔ ادھر خدا کی قدرت ہی کچھ ایسے

ہی اسباب مقدر فرمانے والی تھی۔ حضرت ابراہیم کو بذریعہ وحی فرمایا گیا کہ اے ابراہیم تم اس بات کو برا نہ سمجھو۔ ایسا ہی کر لو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم منزل بمنزل اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں اب بیت اللہ ہے اور چاہ زمزم ہے۔ جس جگہ اب زمزم کا کنواں ہے وہاں اس وقت ایک درخت تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے وہاں ہاجرہ اور اسمٰعیل کو بٹھادیا۔ اور ایک مشک پانی بھر کر اور کچھ کھجوریں اور روٹیاں ان کے پاس رکھ کر روانہ ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسمٰعیل کی والدہ ابراہیم علیہ السلام کی طرف دوڑیں۔ اور کہا کہ اے ابراہیم تم کہاں جا رہے ہو اور اس وادی میں ہمیں چھوڑے جا رہے ہو جس میں نہ کوئی ہمدرد و مونس ہے اور نہ ہی اس میں کھانے پینے کے لئے کچھ ہے۔ ہاجرہ بار بار یہی کہتی رہیں مگر حضرت ابراہیم ان کی طرف التفات نہ کرتے یہاں تک کہ آخر میں کہا کہ کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام بولے کہ ہاں! یہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ سُنکر ہاجرہ کہنے لگیں کہ تو پھر اللہ ہم کو ضائع نہیں کریگا۔ پھر بچہ کی طرف لوٹ آئیں۔

حضرت ابراہیم کے قلب پر بہر کیف اثر تھا اور طبعی رنج اور صدمہ کی کیفیات کو ضبط کرتے ہوئے بامر خداوندی اپنے بچہ اور بیوی کو اس بیابان میں چھوڑ کر جاتے ہوئے کچھ رکے اور گویا الوداعی دعا کے طور پر اپنے پروردگار سے اس طرح التجا کرنے لگے۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد	اے میرے پروردگار میں نے ٹھہرا دیا ہے اپنی ذریت
غیر ذی زرع عند بیتک المحرم	کو ایک ایسی وادی میں جہاں نہ کھیتی ہے (اور نہ پانی)
ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل	تیرے محترم گھر کے نزدیک تاکہ یہ نماز قائم کریں (اور
افئدۃ من الناس تھوی الیھم	تیری عبادت میں مشغول رہیں) پس اے پروردگار تو مائل
وارزقھم من الثمرات لعلھم	کردے لوگوں کے دل ان کی طرف اور ان کو پھلوں سے
یشکرون۔	رزق عطا فرما۔ امید ہے کہ یہ تیرے شکر گزار ہوں

حضرت ہاجرہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہتیں کہ اے خدا اگر تیرے حکم سے میں اس بیابان

میں ڈالی گئی ہوں تو مجھ ضعیف اور بیکس کا تو ہی مالک اور والی ہے۔ روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل اس وقت شیر خوار بچہ تھے۔ حضرت ابراہیم ان کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف چلے گئے۔ مشک میں جب تک پانی رہا تو ہاجرہ اس کو پیتی رہیں اور بچہ کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن جب پانی ختم ہوگیا اور پیاس کا غلبہ ہوا بچہ بھی پیاس سے تڑپنے لگا تو ہاجرہ بیقرار ہو کر پانی کی تلاش میں نکلیں۔ اور قریب کی پہاڑی جس کو صفا کہا جاتا ہے پر چڑھیں کہ شاید پانی نظر آجائے۔ مگر پہاڑی پر اتنا چڑھیں کہ بچہ نظروں سے غائب نہ ہو۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں جب کچھ نہ نظر آیا تو مایوس ہو کر اتر آئیں اور اسکے بالمقابل دوسری پہاڑی جس کا نام مروہ ہے دوڑیں کہ شاید اس جگہ سے پانی کا کچھ پتہ چل جائے۔ راستہ میں خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی درندہ بچہ کو نہ لے جائے تو اس خیال سے اس میدان کے درمیان میں تیزی سے دامن اٹھا کر دوڑنے لگیں۔ میدان کے اس نشیبی حصہ جس کو بطن وادی کہتے ہیں کو طے کر چکیں تو پھر آہستہ چلنے لگیں۔ مروہ پہاڑی پہ پہنچکر بھی بلندی تک چڑھیں وہاں بھی پانی کا کچھ پتہ نہ چلا تو واپس صفا کی طرف لوٹیں اور میدان کے نشیبی حصہ میں پھر اسی طرح دامن اٹھا کر تیزی سے دوڑیں۔ غرض اس طرح صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک سات چکر کاٹے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حج میں صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کا حکم اسی کی یادگار ہے کہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے اس منظر کو اور ہاجرہ کی بیکسی و بیقراری کو یاد کریں اور سوچیں کہ ایسے اضطراب و بے چینی کے عالم میں ہاجرہ کس کیفیت کے ساتھ اپنے رب کو پکار رہی ہونگی اور کس گریہ و زاری سے دعا کر رہی ہوں گی۔ اور یہ سمجھیں کہ خداتعالےٰ نے جس طرح ہاجرہ کے اضطراب و بیقراری کے عالم میں ان کی فریاد سنی اور اس کی قدرت سے نزول رحمت کا سلسلہ شروع ہوا اسی طرح ہم بیکسوں کی بھی خدا فریاد سنے گا۔ اور اپنی رحمتیں ہم پہ نازل فرمائے گا۔ ہاجرہ علیہا السلام

جب آخری بار مروہ پر آئیں تو پہلے ایک آواز سُنائی دی کچھ اندیشہ نہ کر پھر دوبارہ یہی آواز سُنی تو لوٹ کر بچہ کے پاس آئیں صفا پر پہنچیں تو دیکھتی ہیں کہ بچہ کے پاس پانی کا ایک چشمہ جاری ہے زمین سے پانی خود بخود نکل رہا ہے۔ ہاجرہ پانی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں اور پانی کے ارد گرد مٹی اور پتھروں سے آڑ بنادی تاکہ پانی بہہ کر ضائع نہ ہوجائے۔ اور حوض کی سی صورت بناکر پانی جمع کرلیا۔ پہلے اپنی مشک بھر لی۔ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اپنی رحمت فرمائے اسماعیل کی ماں (ہاجرہ) پر اگر وہ اس چشمہ پہ بند نہ لگاتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔ اس وقت خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک فرشتہ یہ پیغام لیکر پہنچا۔ اے ہاجرہ تم غم نہ کرو یہاں خانہ خدا کعبہ ہے اور یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے باپ کے ساتھ اس کی تعمیر کرے گا۔ اور اس جگہ رہنے والوں کو خدا ضائع نہیں کرتا ہے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس جگہ ایک ٹیلہ تھا۔ اس کے قریب برساتی پانی کے نالے بہا کرتے تھے۔ اسمٰعیل اور ان کی والدہ وہاں تنہا رہنے لگے۔ اتفاق یہ کہ قوم جرہم کا تجارتی قافلہ یمن سے اس طرف آنکلا۔ دور سے پرندوں کو اڑتا دیکھ کر کہنے لگے کہ یہاں پانی ضرور معلوم ہوتا ہے تب ہی تو اس جگہ پرند اڑ رہے ہیں۔ ورنہ تو ہم نے پہلے تو کبھی یہاں ایسا نہیں دیکھا۔ ایک شخص کو دیکھنے کیلئے بھیجا۔ اس نے آکر بتایا کہ ایک عورت ہے اس کے پاس اس کا ایک بچہ بیٹھا ہے۔ اور پانی کا چشمہ زمین سے جاری ہے۔ قافلہ نے وہاں آکر صورت حال کا مشاہدہ کیا اور ہاجرہ سے وہاں رہنے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے تنہائی کے خیال سے ان کے آباد ہوجانے کو غنیمت سمجھا۔ لیکن یہ شرط کرلی کہ اس پانی میں ان کا

کوئی حق اور تسلط نہ ہوگا۔ بلکہ وہ جب تک ان کے یہاں رہنے کو پسند کریں وہ رہیں گے۔ قافلہ نے اس کو تسلیم کیا بلکہ یہ بھی وعدہ کیا کہ ہم اس بچہ کو بڑا ہونے پر اپنا سردار تسلیم کریں گے۔ اس پر یہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہوگیا۔

حضرت اسماعیل نے انہی لوگوں سے عربی زبان سیکھی۔ اور نوعمری ہی سے اپنی کرامت و بزرگی اور موروثی کمالات کے باعث اس قوم کے ہر ہر فرد میں ان کی عقیدت وعظمت پوری طرح قائم ہوگئی تھی۔ جسکے باعث قافلہ کے سردار نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس عرصہ میں حضرت ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔ اسی مدت میں حضرت سارہ سے اسحٰق علیہ السلام کی ولادت بھی ہوئی۔ جس سے طبعی طور پر وہ اثر بھی کم ہوگیا جو ایک عورت کو اپنی اولاد نہ ہونے پر ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسری سوت صاحب اولاد ہو چکی ہو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اجازت سے عرب میں آئے تاکہ اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھ لیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کے گھر پر پہنچے وہ موجود نہ تھے۔ بیوی سے حال دریافت کیا تو تنگی معاش کا ذکر کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بات پسند نہ آئی واپس ہوتے ہوئے اسمٰعیل کے لئے یہ پیغام دے گئے کہ اسماعیل کو میرا سلام کہہ دینا۔ اور کہنا کہ تمہارے گھر کا نسرول اچھا نہیں ہے۔ اس کو بدل دو۔ شام کے بعد حضرت اسماعیلؑ جب گھر واپس آئے اور حال معلوم ہوا تو سمجھ گئے کہ وہ مرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ بیوی نے وہ پیغام ادا ہی کیا تھا فوراً اس کو طلاق دے دی اور دوسری عورت سے شادی کی۔ دوبارہ حضرت ابراہیمؑ پھر جب ملاقات کو آئے اس دوسری بیوی نے بہت مدارت اور تواضع کی اور معاش کے بارہ میں خدا کا شکر ادا کرتی رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کو مزید قیام کے لئے اصرار کرتی

رہیں۔ لیکن عذر کر کے اجازت لے لی۔ اور رخصت ہوتے ہوئے کہہ گئے کہ اسماعیلؑ کو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ یہ سردل اچھا ہے۔ اس کو رکھنا۔ حضرت اسمٰعیل آئے معلوم ہوا تو فرمایا وہ میرے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اور اس پیغام کے معنی بتائے کہ وہ تم پر مطمئن اور خوش ہوئے۔ اب میں تم کو ہمیشہ اپنی زوجیت میں رکھونگا۔

تیسری مرتبہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے۔ اور کچھ عرصہ رہنے کی نیت سے آئے۔ اس بار حضرت اسماعیل سے ملاقات ہوئی۔ باپ بیٹے ایک دوسرے سے گلے لگے ہوئے بیقرار ہو کر رونے لگے۔ کافی دیر تک دونوں پر گریہ طاری رہا۔ حضرت ابراہیم نے اسماعیل سے فرمایا۔ خدا نے مجھ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا ہے۔ اگر تو میری مدد کرے تو بہتر ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا بسر و چشم گویا یہ تیسری مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی مکہ مکرمہ کی طرف آمد اللہ کے حکم اور اسی ارادہ کے باعث تھی کہ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کریں۔

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعمیر بیت اللہ!

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

اور جس وقت کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم بیت اللہ کی بنیادوں کو اور اسمٰعیل بھی (ان کے ساتھ) تو یہ دونوں کہہ رہے تھے کہ اے ہمارے پروردگار قبول فرمالے تو ہم سے (اس عمل کو)

لَكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ — بے شک توہی سننے والا اور جاننے والا ہے اور اے پروردگار توہم کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت سے بھی ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا اور اے اللہ توہم کو احکام حج سکھا دے اور ہم پر تو مہربانی اور توجہ فرما بے شک تو ہی توجہ فرمانے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

ان آیات میں حق تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی ان دعاؤں کا بھی ذکر کیا جو انہوں نے تعمیر بیت اللہ کے وقت مانگی تھیں۔

حافظ ابن کثیر اور امام قرطبی نے احکام القرآن میں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت آدم کے بعد خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم ہیں۔ وہ خیمہ جو حضرت آدمؑ کیلئے جنت سے اتارا گیا تھا وہ تو پہلے ہی اٹھا لیا گیا تھا۔ اور وہ پتھروں کی دیواریں جن پر خیمہ تھا یا جو دیواریں اس کے بعد تعمیر کی گئی تھیں۔ طوفان نوح میں دنیا کی اور عمارتوں کی طرح ان کا بھی نشان مٹ گیا تھا۔ اس لئے بناء کعبہ کا حکم جب ابراہیم علیہ السلام کو ہوا تو اس جگہ کا تعین اور نشان دہی بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے بایں طور کر دی گئی کہ ایک بادل آیا جس میں یہ آواز سنائی دی کہ اے ابراہیم تمہارا رب تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم اس بادل کی پیمائش کے بقدر بیت اللہ کی تعمیر کے لئے جگہ کر لو۔ اور اس کے نشانات اور بنیادیں تلاش کر لو۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کے سایہ پر نشان قائم کر کے زمین کو کھودنا شروع کیا۔ تو بیت اللہ کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں۔ پھر اسی پر تعمیر اٹھانی شروع کر دی یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہ فرمایا "واذ یرفع ابراھیم القواعد من

• البیت" کہ جبکہ ابراہیم بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔ تو بنیادیں اٹھانے کے عنوان (نہ یہ کہ بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ سابقہ بنیادیں ظاہر کر دی گئیں اور پھر ان کو اوپر اٹھانے لگے۔

• فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ تعمیر کعبہ کا ذکر ہے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے آکر کعبہ کی تعمیر کے لئے نشان قائم کئے۔ اور اسی پر تعمیر شروع کر دی۔ اس طرح کہ ایک چوگوشہ قدرے مستطیل شکل کا مکان سا بنانا شروع کیا جس کا عرض شرقی جانب میں یعنی حجر اسود سے رکن یمانی تک بیس ذراع تھا۔ یعنی بیس ہاتھ تھا۔ اور مغربی جانب میں یعنی رکن شامی سے رکن غربی تک بائیس ذراع (ہاتھ) اور طول میں شمالی دیوار حجر اسود سے رکن شامی تک تینتیس ذراع (ہاتھ) تھی۔ اور جنوبی دیوار رکن غربی سے رکن یمانی تک اکتیس ذراع (ہاتھ) تھی۔ گویا مجموعی طور پر یہ عمارت کچھ مستطیل شکل کی تھی۔ مگر پیمائش میں دونوں کونے نہ تو عرض میں برابر تھے اور نہ طول میں برابر تھے بلندی نو ذراع رکھی۔ دروازہ زمین کی سطح کے برابر تھا۔ کرسی اور بلندی پر نصب نہیں کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے۔ اور ایک پتھر تھا جس پر کھڑے ہو کر تعمیر فرما رہے تھے۔ جس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں بناء ابراہیمی میں کعبۃ اللہ کی شکل اس طرح تھی۔

ے کتاب الاعلام باعلام بیت الحرام یعنی تاریخ مکہ میں علامہ قطب الدین حنفی نے شرقی دیوار کا طول بتیس ذراع لکھا ہے۔ تاریخی نقول میں اصل لفظ ذراع ہے جسکے معنی ہاتھ کے ہیں یعنی وہ پیمائش جو بمقدار بازو ہو جو تقریباً نصف گز یا قدرے منہا ونہ ہوتی ہے۔ بعض مصنفین نے ذراع کا مفہوم گز سے بیان کیا ہے۔ گز سے پیمائش کا حساب مشکل ہے اسلئے صحیح یہ ہے کہ یہ پیمائش باعتبار بازو ہے نہ کہ باعتبار گز۔ واللہ اعلم۔

پیمائش کعبۃ اللہ

(۱) طول دیوار کعبہ بجانب مشرق از حجر اسود تا رکن شامی — ذراع ۳۳

(۲) طول دیوار غربی جانب از رکن یمانی تا رکن غربی۔ — ذراع ۳۱

(۳) عرض شمالی از رکن شامی تا رکن غربی۔ — ذراع ۲۲

(۴) عرض بجانب جنوب از حجر اسود تا رکن یمانی — ذراع ۲۰

بلندی ۹ ذراع
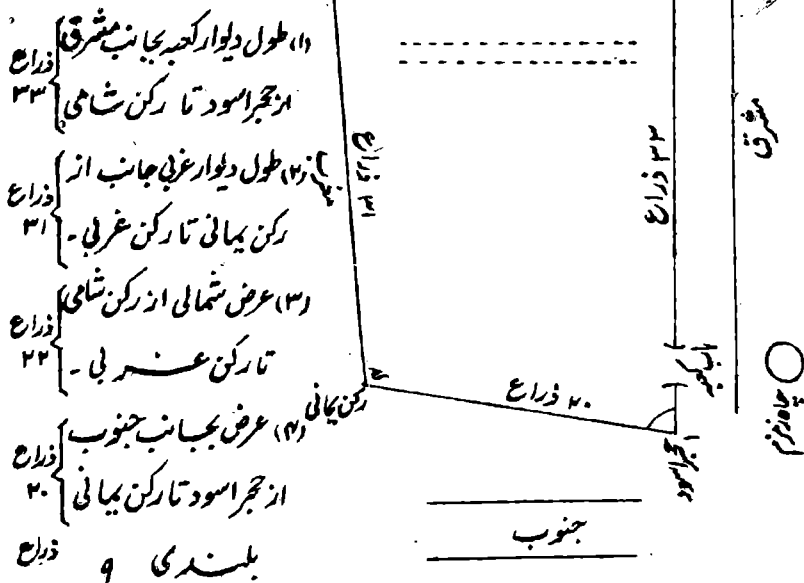
تاریخ مکہ میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر جب بلند کرنے لگے اور حجر اسود نصب کرنے کی جگہ پر پہنچے تو اسمٰعیل علیہ السلام سے فرمایا ایک پتھر لے آؤ تاکہ میں اسے علامت کے طور پر اس جگہ نصب کر دوں کہ اس جگہ سے لوگ طواف کی ابتداء کیا کریں۔ اسماعیل علیہ السلام تلاش کرنے گئے۔ فوراً ہی حضرت جبریل حجر اسود لیکر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ بیان کیا گیا کہ حجر اسود اللہ تعالیٰ نے جبل ابو قبیس میں محفوظ کر رکھا تھا جبکہ تمام عالم طوفان نوح میں غرق کر دیا گیا تھا۔ اس وقت جب یہ پتھر لایا گیا تو حرم کے چاروں طرف دور دور تک ایک ایسا نور پھیل گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ سورج روشن ہو رہا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوا کہ اس وقت جنت سے لایا گیا۔ لیکن روایتی لحاظ سے تاریخ مکہ میں جو بیان کیا گیا وہ قوی ہے اور اکثر مورخین و محدثین نے پہلے بیان کردہ قول معتبر سمجھا ہے۔

وہ پہاڑ جنکے پتھر خانہ کعبہ کی تعمیر میں لگائے گئے

امام تقی الدین رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پانچ پہاڑوں کے پتھر تعمیر کعبہ میں استعمال کئے وہ پانچ پہاڑ حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ جبل طور سیناء

۲۔ جبل طور زیتار

۳۔ جبل لبنان

۴۔ جبل جودی ۔۔۔ جو موصل کا ایک بلند پہاڑ ہے۔ جس پر کشتی نوح ٹھہری تھی۔

۵۔ جبل حراء ۔۔۔ مکہ مکرمہ کا مشہور پہاڑ ہے۔

مقام ابراہیمؑ

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے تعمیر کی۔ روایات میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین مرتبہ گواہی دیتے ہوئے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رکن (حجر اسود) اور مقام یہ جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ ان کا نور مستور کر کے دنیا میں نہ اتارتا تو ان کا نور مشرق و مغرب کے مابین تمام عالم کو روشن کر دیتا۔ ابراہیم علیہ السلام

جب بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوگئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کو حکم دیا کہ لوگوں کو حج کا اعلان کر دیں۔ (اور یہ کہ اللہ کے گھر پر حاضری دیں) ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے پروردگار! اور میری یہ آواز کہاں تک پہنچے گی؟ (ظاہر ہے کہ وہ ایک محدود جگہ تک ہی پہنچ سکے گی۔ تو سارے عالم کے لوگوں کو کیونکر میں یہ تیرا پیغام پہنچا سکونگا) فرمایا اے ابراہیم تمہارے ذمہ اعلان کر دینا ہے اور پہنچانا ہمارا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ثبیر (مکہ کا ایک پہاڑ ہے جو بیت اللہ سے جانب مشرق میں واقع ہے) پر چڑھے اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر اعلان فرمایا۔ اے اللہ کے بندو! بے شک اللہ نے ایک گھر بنایا ہے اور تم کو حکم دیا ہے کہ اس کی حاضری دو۔ حج کرو لہٰذا میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ حج بیت اللہ کرو اور اللہ کے داعی کی آواز پر لبیک کہو (اس کو قبول کرو) تو اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے یہ آواز تمام دنیا کے انسانوں کو سنا دی اور انکو بھی جو عنقریب پیدا ہونے والے تھے اور ان کو بھی جو ماؤں کے رحم اور اباؤ اجداد کے اصلاب میں تھے۔ اسی کو حق تعالےٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۔ کہ اے ابراہیم لوگوں میں اعلان حج کر دو۔ تاکہ لوگ تمہارے پاس پہنچ جائیں (ادائے حج کیلئے) پیادہ پا (پیدل چلتے ہوئے) اور ہر ایسی سواری پر سوار جو چھریرے بدن کی ہو جو پہنچ رہی ہیں ہر دور دراز عالم کے گوشوں سے۔

حجر اسود اور حطیم

بناء ابراہیمی میں حطیم کا حصہ نہ تھا۔ یہ حصہ تعمیر سے اس وقت چھوٹ گیا

تھا ۔جبکہ قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی ۔

خانہ کعبہ کے گوشوں کو ارکان کہا جاتا ہے ۔ اس کے چار گوشوں میں سے ہر ایک گوشہ یعنی رکن کا ایک نام ہے ۔جنوب و مشرق کے گوشہ میں باہر کی جانب ڈیڑھ گز سے قدرے زائد بلندی پر ایک سیاہ مدور پتھر توے کی پیمائش کے بقدر لگا ہوا ہے ۔جس کو حجر اسود کہا جاتا ہے ۔

اور جنوب و مغرب میں تقریباً قدآدم بلندی پر ایک سرخ نما پتھر کا ٹکڑا ہے اس کو رکن یمانی کہتے ہیں ۔ اور شمال مشرقی کونہ کا نام رکن شامی ہے ۔اس لئے کہ بیت اللہ کا یہ گوشہ بجانب شام واقع ہے ۔اور اس کے بالمقابل کونہ کو رکن غربی کہتے ہیں ۔کیونکہ یہ بجانب مغرب ہے ۔

— موجودہ ہیئت عمارت میں حطیم کا حصہ رکن شامی اور رکن غربی کی جانب واقع ہے ۔

ایک مدت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا ءکردہ تعمیر باقی رہی ۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایک پہاڑی نالہ کے سبب اور اس کے سیلاب سے یہ عمارت گر گئی تو بنی جرہم نے پھر بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق تعمیر کیا ۔پھر جب یہ عمارت بھی شکستہ اور منہدم ہو گئی ۔تو عمالیق نے تعمیر کیا ۔ ۔ ۔عمالیق بنو حمیر کا ایک قبیلہ تھا ۔ اس کے بعد جب یہ عمارت بھی منہدم ہو گئی تو قصی بن کلاب نے اس کو بنایا ۔ اور اس تعمیر میں قصی بن کلاب نے خانہ کعبہ کی چھت لکڑی کے تختوں سے پاٹ دی ۔ اور اس پر سیاہ غلاف ڈالا ۔ یہ عمارت چونکہ پچھلی عمارتوں سے زائد مضبوط تھی اس وجہ سے یہ طویل مدت تک باقی رہی حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کا زمانہ آیا ۔ اور آپ کی عمر مبارک اس وقت دس بارہ برس کی تھی ۔ ایک عورت نے غلاف کعبہ کے قریب بخور لوبان وغیرہ روشن

کرنا چاہا اور دھونی دی تو پردہ میں آگ لگ گئی تھی اور اس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی پوری عمارت آگ کی لپیٹ میں آگئی تھی۔ کچھ عرصہ تک تو کعبہ اسی حال میں رہا۔ لیکن بعد میں قریش کے تمام سرداروں نے مل کر یہ طے کیا کہ از سرِ نو تعمیر کی جائے۔ چنانچہ نئی تعمیر کی گئی۔ یہ تعمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل تھی۔ مگر قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی کے لحاظ سے کچھ تصرف کئے۔ اول یہ کہ جانب شمال و مغرب میں کئی گز تقریباً سات فٹ یا گز جگہ چھوڑ دی جسکو حطیم کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بیت اللہ کا دروازہ تقریباً دو گز بلندی پر رکھا اور اسکے واسطے سیڑھیاں بھی بنائیں تاکہ جس کو مرضی ہو کعبہ میں داخل ہونے دیا جائے اور جسکو مرضی نہ ہو نہ داخل ہونے دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ بیت اللہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں۔ ہر صف میں تین تین ستون رکھے اس طرح بیت اللہ کی چھت کل چھ ستونوں پر قائم کی گئی۔ ان ستونوں کی کیفیت اس طرح ہے:۔
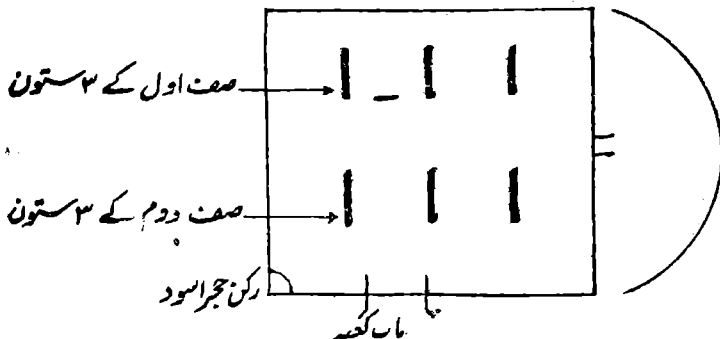
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے بعد بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تو آپ نے ستونوں کی اگلی صف کے درمیان نماز پڑھی تھی اس طرح کہ ایک ستون بائیں طرف تھا۔ اور دو ستون دائیں جانب تھے۔ اور

تین ستون پشت کی طرف تھے۔ گویا۔ اس نشان کی جگہ حضورؐ نے نفلیں ادا کیں جو عین دروازے کے سامنے قدرے دائیں جانب ہے۔

چوتھا تصرف یہ کیا کہ کعبہ کی دیواریں بلندی میں دوچند کردیں بعض تاریخی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ اس تعمیر سے قبل جب قصی بن کلاب نے تعمیر کی تھی اس وقت دیواروں کو بلند کیا گیا تھا۔

کعبہ کے اندر ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی جو تصویریں پتھروں کی تراشی ہوئی رکھی تھیں ان کو نکال کر پھینک دیا اور فتح مکہ کے زمانہ تک جو بت رکھے ہوئے تھے وہ عمرو بن لحی نے رکھے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام سے تین سو سال قبل تھا۔ قریش جس وقت کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو حجراسود کے رکھنے پر بڑی کشاکشی اور الجھن پیش آئی ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ حجراسود میں اپنے ہاتھ سے نصب کروں۔ سب نے متفق ہو کر یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے یہ تجویز فرمایا کہ حجراسود کو ایک بڑی چادر میں رکھا جائے اور ہر قبیلہ کا سردار اپنے ہاتھ سے اس چادر کو اٹھائے یہاں تک کہ اوپر کرنے کے بعد حجراسود نصب کر دیا جائے اور اس تدبیر سے گویا یہ سب لوگ حجراسود نصب کرنے میں شریک ہو جائیں گے۔ اسی تدبیر کے مطابق سب نے اس چادر کو اٹھایا اور جب اس جگہ تک اٹھاتے ہوئے پہنچ گئے جہاں اس کو نصب کرنا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے حجراسود نصب فرمایا[۵]

بناءِ قریش

سیرت کی روایات میں آتا ہے کہ بیت اللہ کے بوسیدہ ہو جانے

---

[۵] سیرت ابن ہشام۔ تفسیر حقانی۔ تفسیر قرطبی۔ ابن کثیر۔ سیرت المصطفیٰ۔

کی وجہ سے اور اس بناء پر کہ بیت اللہ نشیب میں تھا بارش کا پانی جمع ہو جاتا تھا جس سے تعمیر کے گر جانے کا ہر وقت اندیشہ رہتا تھا اور پانی کعبہ کے اندر بھی بھر جاتا تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کی جائے۔ جب سب سرداران قریش اس پر متفق ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے ماموں ابو وہب مخزومی نے کھڑے ہو کر قریش کو خطاب کیا اور کہا اے لوگو! دیکھو یہ اللہ کا گھر ہے اس کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال اور پاک ہو۔ چوری، زنا، سود وغیرہ کا ایک حبہ بھی اس میں شامل نہ ہونا چاہیے۔

سب قبائل کو شوق تھا کہ تعمیر بیت اللہ میں ہمارا بھی حصہ ہو اور یہ شرف ہم بھی حاصل کریں۔ اس وجہ سے باہمی مشورہ کے ساتھ تعمیر بیت اللہ کو اس طرح قبائل پر تقسیم کر دیا گیا۔

دروازہ کی جانب .... بنو عبد مناف اور بنو زہرہ۔
حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ ..... بنو مخزوم و دیگر قبائل قریش
پشت بیت اللہ .... بنو جمح اور بنو سہم
حطیم .... بنو عبد الدار بن قصی بنو اسد اور بنو عدی
بیت اللہ کی چھت .... ولید بن مغیرہ
بیت اللہ کی تعمیر کرنے والا معمار ..... یاقوم رومی

تعمیر بیت اللہ سے حطیم کے حصہ کے رہ جانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص خیال تھا۔ اور اسی طرح دروازہ کی بلندی کا بھی۔ ایک دفعہ آپ

ے اتفاق امر یہ کہ اسی وقت یہ خبر ملی تھی کہ ایک جہاز جدہ کے ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے تو ولید جدہ گیا اور اسکے تختے بیت اللہ کی چھت کے لیے خرید لایا۔

نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ اے عائشہ اگر تمہاری قوم (قریش) زمانۂ جاہلیت سے قریب نہ ہوتے (بلکہ ان پر اسلام لائے ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہوتا تو) میں کعبہ قدیم بناء ابراہیم علیہ السلام پر لوٹا دیتا۔ کہ حطیم کا حصہ داخل کعبہ کر دیتا اور بیت اللہ کا دروازہ زمین کی سطح سے ملا دیتا۔ اور مزید ایک دروازہ اس کے بالمقابل جانب کھولتا۔ تاکہ آمد و رفت میں سہولت ہو (لیکن ایسا کرنے میں اندیشہ ہے کہ یہ نئے نئے اسلام لانے والوں کے دلوں میں اوہام و شکوک نہ پیدا ہو جائیں) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں جب تعمیر کی تو اسی کے مطابق بیت اللہ کی عمارت بنائی۔ اس تعمیر سے فراغت ۶۴ھ ہجری میں ہوئی۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف کا دور آیا۔ اس کو عبداللہ بن زبیر کی ساتھ مخاصمت کی بناء پر یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کی تعمیر کو برقرار رکھا جائے۔ تو اس کو پھر قریش کی تعمیر کی طرف لوٹا دیا۔ حجاج کا زمانۂ تعمیر ۷۴ھ ہجری ہے۔

اس کے بعد بنو عباس کے عہد میں خلیفہ ہارون رشید نے قصد کیا کہ حجاج کی تعمیر میں تغیر کر کے عبداللہ بن الزبیر ہی کی بناء پر کعبہ کی تعمیر کر دی جائے کیونکہ ابن الزبیر نے آنحضرت کے ارشاد کے مطابق بیت اللہ کی ہیئت عمارت کر دی تھی۔ مگر امام مالک رح اور اس دور کے علماء نے اس سے منع کیا۔ اور فرمایا کہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ بیت اللہ بادشاہوں کے ہاتھوں کا ایک کھیل بن جائے کیونکہ ایسا رواج اگر پڑ گیا تو پھر یہی ہو گا کہ جو خلیفہ اور بادشاہ برسر اقتدار آئیگا وہ سابق فرمانبردار کی تعمیر کو گوارا نہ کرتے ہوئے اس میں توڑ پھوڑ کرے گا۔ اور اس طرح کعبہ بادشاہوں کے ہاتھوں میں ایک تماشہ اور کھیل بن جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تعمیر کعبہ

قریش کی اس تعمیر کے بعد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل تھی۔ ۶۴ھ ہجری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کی تعمیر کی جبکہ کعبۃ اللہ پر منجنیق کے ذریعہ گولہ باری کی وجہ سے شکستہ ہو گیا تھا۔ یہ دور یزید بن معاویہ کی امارت کا تھا۔

علامہ بیاسی اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد جبکہ اہل شام یزید کی بیعت قبول کر چکے تھے۔ اور یزید نے اپنے جور و تسلط سے عامل بھی مقرر کر دئے تھے۔ تو یزید نے اپنے اس عامل کو جو مدینہ میں مقرر تھا حکم دیا کہ ان تین شخصوں سے بہت جلد بیعت لو۔ عبداللہ بن زبیر رضؓ حسین بن علی رضؓ اور عبداللہ بن عمر رضؓ اور اگر یہ لوگ بیعت قبول کرنے میں تامل کریں تو ان پر سختی کرو اور گرفتار کر لو عامل مدینہ نے یہ پیغام حضرت حسین بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیر کے پاس پہنچایا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ یہ دونوں آئندہ کل اس سے ملاقات کریں گے۔ لیکن حالات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے عبداللہ بن زبیر تو رات ہی کو ایک خفیہ راستہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکل گئے۔ اگرچہ ان کا تعاقب کرایا گیا۔ شام تک عامل تلاش کرتا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ عامل نے پھر حضرت حسین رضؓ کو طلب کیا مگر وہ بھی اس سے نہیں ملے اور رات ہی کو وہ بھی مع اہل بیت مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر جب مقیم ہو گئے تو اہل کوفہ نے اپنے قاصدوں کو بھیجنا شروع کیا کہ یہاں سب آپ کے مشتاق و طلب ہیں اور کوفہ کا ایک ایک

فرد آپ کی بیعت کا منتظر ہے۔ حضرت حسینؓ ان کی باتوں پر اعتماد کر کے کوفہ کو روانہ ہوگئے۔ لیکن انجام یہ ہوا کہ میدان کربلا میں ان لوگوں میں سے کسی کا پتہ نہ ملا جو اپنے شوق و محبت اور عقیدت کے وعدوں کے دھوکہ میں یہاں تک انہیں لائے۔ بلکہ مدمقابل یزید کی فوجیں تھیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالا (جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے) اور ان کا سر مبارک یزید کے پاس بھیجا۔
حضرت حسین کی شہادت کے بعد حجاز میں عبداللہ بن زبیر کے علاوہ اور کوئی باقی نہ رہا۔ انہوں نے امام حسین کی شہادت پر انتہائی رنج و غم کا اظہار فرمایا اور اہل عراق کی غداری اور کوفہ کے لوگوں کے اس ناپاک رویہ کی شدید مذمت کی۔ اس واقعہ کے بعد اہل مدینہ یزید کی بیعت سے دستبردار ہوگئے اور مدینہ سے وہاں کے عامل اور جو بنو امیہ میں سے اس کے ساتھی تھے ان کو نکال دیا یزید نے عمرو بن سعید گورنر مدینہ کو طلب کیا۔ عمرو بن سعید نے صورت حال بیان کی تو یزید نے حکم دیا کہ فوج لیکر اہل مکہ و مدینہ پر حملہ کرو اور بیعت پر انہیں مجبور کرو۔ عمرو بن سعید نے کہا۔ اے امیر المومنین میں نے آج تک آپ کے لئے تمام علاقوں اور شہروں کا نظم و نسق نہایت قوت و استحکام کی ساتھ قائم کیا۔ اور آپ کے تمام احکام کی تعمیل کی۔
لیکن اب اس حکم کی تعمیل کا انجام سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اہل حجاز اور قریش کی خونریزی اور قتل عام ہو۔ لہذا آپ اس کا ذمہ دار میرے سوائے کسی ایسے شخص کو بنائیں جو مجھ سے زائد بے رحم ہو اور حقوق قرابت کا لحاظ نہ کرنے والا ہو۔ اس جواب کے بعد یزید نے متعدد لوگوں کو اس مقصد کے لئے طلب کیا اور ان کے ایسے جواب پر یزید ناراض ہوا۔ حتےٰ کہ آخیر میں

مسلم بن عقبہ کو طلب کیا۔ یہ شخص اپنی ایک کانی آنکھ اور پراگندہ سر کے ساتھ دربار میں اس طرح لڑکھڑاتا ہوا آیا جیسے کہ کسی گارے پر سے پاؤں پھسل رہے ہوں۔ اس نے یہ سن کر بڑا حوصلہ افزا جواب دیا اور کہا بے شک ان پر ایک نہایت سخت دل اور خونخوار قسم کا لشکر بھیجنے کی ضرورت ہے۔ اور کہنے لگا کہ اگر آپ مجھ کو ان لوگوں کے ساتھ کشتی لڑنے کا حکم دیں گے تو بے شک اس معاملہ میں تو میں ان سے کمزور ہوں۔ لیکن جہاں تک رائے اور تدبیر کا معاملہ ہے آپ اس میں مجھے قوی پاؤ گے۔ بارہ ہزار کا لشکر مرتب کر کے حجاز کی طرف روانگی کا قصد کیا۔ یزید نے کہا پہلے مدینہ والوں پر حملہ آور ہونا۔ ان کو تین روز تک ڈرانا اور اطاعت پر آمادہ کرنا۔ اگر قبول کرلیں تو فبہا ورنہ حملہ کر دینا۔ یہ شخص شقاوت و بدبختی کا پیکر بن کر مدینہ منورہ پہنچا اور اپنی فوج سے اہل مدینہ کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن اہل مدینہ نے جواب دیا۔ اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہاری کسی بات اور عہد پر اطمینان نہیں کر سکتے اور جب تک ہم زندہ ہیں تم کو بیت اللہ پر فوج کشی کی قدرت نہ دیں گے۔ تین دن گذر نے پر مسلم نے قتل و خونریزی کا بازار گرم کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ منورہ کے باہر کا میدان جو سنگساتی زمین ہے خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور یہ وہی منظر تھا جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور ہزاروں مقتولین میں کم از کم سات سو حضرات قراء صحابہ بھی تھے۔ مسلم یہاں سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہوا۔ درمیان سفر مر گیا تو اس کا قائم مقام حصین بن نمیر سکونی کو بنایا گیا۔ اس نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا اور منجنیق کے ذریعے بیت اللہ پر گولہ باری کی جس سے بیت اللہ کی عمارت جل گئی اور کافی حصے شکستہ و منہدم

ہو گئے۔ دو ماہ سے زائد مدت تک حصین بن نمیر کی فوجیں مکہ مکرمہ کا محاصرہ کئے رہیں یہاں تک کہ یزید انتقال کر گیا۔ یزید کی موت کی خبر عبداللہ بن زبیر کو پہنچ گئی تھی۔ ان کے علاوہ ابھی کسی معلوم نہیں ہوئی تھی۔ اس پر عبداللہ بن زبیر نے فوجوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لوگو! تم اب آخر کس چیز کے لئے قتال کر رہے ہو تمہارا طاغوت (یعنی سرکش شیطان) تو مر چکا ہے۔ فوج کو جب اس خبر کا یقین ہوا تو فوراً ہی شام کی طرف لوٹ گئے۔
اور مکہ مکرمہ ان سفاکوں کے محاصرہ سے آزاد ہوا تو عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کی تعمیر کا قصد فرمایا۔ یہ واقعہ ۶۴ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔

صحیح مسلم کی احادیث میں عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں کعبۃ اللہ کی تعمیر کا واقعہ یہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ:۔

یزید بن معاویہ کے زمانہ میں اہل شام کی فوجوں نے جس وقت مکہ مکرمہ پر حملہ کیا اور بیت اللہ اس کی وجہ سے جل گیا اور شکستہ ہوا عبداللہ بن زبیر نے موسم حج تک اسی حالت میں چھوڑے رکھا۔ تاکہ اہل شام کی اس حرکت پر لوگوں کو آگاہ کریں اور اس کے تدارک کے لئے آمادہ۔

تمام سربرآوردہ لوگوں کے اجتماع میں فرمایا۔ اے لوگو! مجھے کعبۃ اللہ کے معاملہ میں مشورہ دو کہ میں اس بوسیدہ و شکستہ عمارت کو توڑ کر از سرِ نو تعمیر کر دوں یا یہ کروں کہ جس قدر حصہ شکستہ ہوا ہو اس کی اصلاح و درستگی کر دوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرمانے لگے۔ میرے خیال میں تو یہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور دل بھی اسی پر منشرح ہے کہ آپ صرف شکست و ریخت کی اصلاح کر دیں اور اس گھر کو اور ان پتھروں کو جن پر لوگ اسلام لائے ہیں اپنی اسی حالت پر برقرار رہنے دیں جس پر کہ لوگوں نے اسلام

قبول کیا ہے اور جس عمارت پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔
لیکن عبداللہ بن زبیر فرمانے لگے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہم میں سے کسی
شخص کا گھر جل جاتا (یا شکستہ ہو جاتا) تو وہ راضی نہ ہوتا تا وقتیکہ اس کو ازسر نو
تعمیر نہ کر لے۔ تو بتاؤ تمہارے رب کے گھر کا کیا مرتبہ اور مقام ہونا چاہیئے
اور فرمایا کہ میں تین روز تک اپنے پروردگار سے استخارہ کرتا ہوں اس کے
بعد رائے قائم کروں گا۔ تین روز کے مسلسل استخارہ کے بعد یہ رائے قائم
کی کہ موجودہ شکستہ عمارت کو ہٹا کر بیت اللہ کی ازسرِ نو تعمیر کی جائے۔ لوگ
تو گھبرائے اور ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ جو شخص موجودہ عمارت کو ہٹانے کیلئے بیت
اللہ کی دیوار پر چڑھے تو اس پر آسمان کیطرف سے کوئی عذاب اور بلا نازل ہو جائے بہرکیف
ایک شخص بیت اللہ کی دیوار پر چڑھا اور ڈرتے ڈرتے پہلے ایک پتھر کو اکھاڑ
کر نیچے پھینکا۔ جب یہ دیکھا گیا کہ اس پر آسمان سے کوئی قہر اور عذاب نازل
نہیں ہوا۔ تو لوگوں نے پے در پے شکستہ عمارت کو ہٹانے کے لئے دیواروں
کے پتھر اکھاڑنے شروع کر دئے۔ یہاں تک کہ زمین کی سطح کے برابر کر
دیا۔ عبداللہ بن زبیر نے اس جگہ چند ستون قائم کر کے ان پر پردے لگا دئے
گئے تا کہ کعبہ جیسی ہیئت ہو جائے اور لوگ اس کی طرف نمازیں پڑھتے رہیں
اس وقت عبداللہ بن زبیر نے بیان کیا کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی
اللہ عنہا سے سنا تھا۔ وہ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار
یہ فرمایا تھا کہ اے عائشہ اگر تمہاری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوتی (بلکہ کچھ زمانہ
اسلام پر گذر چکا ہوتا) اور حال یہ کہ اس وقت میرے پاس اس کے واسطے مصارف
بھی نہیں ہیں۔ تو میں حجر حطیم کا حصہ بیت اللہ کی عمارت میں داخل کر دیتا۔
اور ایک دروازہ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے اور ایک دوسرا دروازہ

باہر نکلنے کے لئے بنا دیتا۔ ابن زبیر نے فرمایا تو آج میرے پاس اس تعمیر کے واسطے نفقہ بھی موجود ہے اور لوگوں کو اسلام پہ اب ایک طویل عرصہ بھی گذر گیا ہے تو اب وہ خوف و اندیشہ نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ اسی وجہ سے میں آنحضرت ؐ کی تمنا کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر کرتا ہوں۔ اسی بناء پر حطیم کی جگہ سے پانچ (سات) گز جگہ بیت اللہ کی عمارت میں اضافہ کردی اور حطیم کے حصہ کی بنیادوں تک کھدائی کرائی گئی جب ان بنیادوں کو مکہ مکرمہ کے ذمہ دار اہل علم اور تمام بزرگوں نے دیکھ لیا تب اس پر عمارت بلند کی اور حسب ارشاد نبوی دو دروازے بنائے ایک داخل ہونے کے لئے اور دوسرا نکلنے کے لئے۔ اور خانہ کعبہ کی دیواروں کی بلندی قریش کی تعمیر میں اٹھارہ ہاتھ تھی تو اس میں دس ذراع (ہاتھ) کا اور اضافہ کردیا۔ اس طرح دیواروں کی بلندی ۲۸ ہاتھ یعنی ۱۴ گز سے کچھ زائد ہوگئی۔

تعمیر حجاج بن یوسف

یہ عمارت حجاج کے زمانہ تک باقی رہی۔ حجاج بن یوسف نے اپنے دور اقتدار ۷۴ھ میں عبدالملک بن مروان کو صورت حال سے مطلع کرنے کے لئے فرمان جاری کیا۔ عبدالملک بن مروان نے تفصیل سے مطلع کیا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر ابن الزبیر نے ان ہی بنیادوں پہ کی ہے جن کو مکہ کے بزرگوں اور سربرآوردہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ لیکن حجاج نے حکم دیا کہ اس عمارت کو منہدم کر کے قریش کی بناء پہ کعبہ کو لوٹا دو۔ ابن زبیر نے بیت اللہ میں اپنی طرف سے جس آلودگی کا اضافہ کردیا ہے ہم اس کو کسی حال میں گوارا نہیں کر سکتے یعنی حطیم کا جو حصہ بیت اللہ میں شامل کیا ہے۔ اس

کو خارج کردو۔ عمارت حسب سابق کردو اور وہ دوسرا دروازہ بھی بند کردو
جو ابن زبیر نے کھولا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر کی عمارت کو اسی ہیئت کی
طرف لوٹا دیا گیا جو قریش کے زمانہ کی بناء کردہ عمارت تھی۔ علامہ فاکہیؒ نے
نقل کیا ہے کہ حجر اسود کے متصل دروازہ کی جگہ بلند کر کے پھر دروازہ اتنی ہی
بلندی پر کردیا جتنی بلندی پر کہ قریش نے بنایا تھا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ ابن زبیرؓ
نے یہ دروازہ زمین کی سطح کے برابر کردیا ہوگا۔ اور اس کے بالمقابل دوسرا
دروازہ بند کردیا۔ علامہ فاکہیؒ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے ۲۶۳ھ میں
جب بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تو خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ سے اس بند
کئے ہوئے دروازہ کے نشان کو دیکھا یہ بیت اللہ کے دروازے کے عین
مقابل تھا[ے]۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاج نے کعبہ کی پوری تعمیر
از سر نو نہیں کی بلکہ عبداللہ بن زبیر کے حصہ کو گرا کر تعمیر کیا۔ بعض روایات سے
معلوم ہوا کہ عبدالملک کو بعد میں اس بات پر ندامت اور افسوس ہوا کہ
اس نے حجاج کو تعمیر بیت اللہ کے توڑنے کا مشورہ اور اجازت دی۔ اور
کہتا تھا کہ بہتر ہوتا کہ بیت اللہ اسی ہیئت تعمیر پر رہتا جس پر کہ ابن زبیر
نے بنا دیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق تعمیر تھی

ے بلکہ اس ناچیز کو بیت اللہ کی اس دیوار کے باہر کے حصہ میں بھی بعینہٖ اس جگہ پتھروں
کی ہیئت سے اس بند شدہ دروازہ کی علامت اور کچھ نشانی محسوس ہوتی ہے۔ کیا تعجب ہے
کہ شاہ مراد نے جب اپنے زمانہ میں (جسکی تفصیل بعد میں ناظرین کے سامنے آئے گی) تعمیر
کی ہو تو پتھروں کی وضع حسب سابق رکھی ہو اور اس کو دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہو کہ یہ حصہ
دیوار میں سے بند کیا ہوا حصہ ہے ۱۲۰

علامہ محب طبری نے کتاب شرح التنبیہ میں بیان کیا ہے ـــــ حطیم کے اس حصہ میں کے بارہ میں جو ابن زبیر نے اضافہ کیا اور قریش نے اس کو تعمیر بیت اللہ سے خارج رکھا تھا۔

متعدد روایات ہیں جن میں پیمائش مختلف بیان کی گئی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ جگہ سات ذراع یعنی سات گز ہے۔ یہ حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں داخل کعبہ تھا۔ اور اس کو ابن زبیر نے بناء ابراہیمی کی بنیادوں کا مشاہدہ نہ صرف یہ کہ خود انہوں نے ان بنیادوں کو دیکھا بلکہ مکہ مکرمہ کے تمام بزرگوں اور ذمہ دار علماء و صلحا نے دیکھ کر اضافہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حصہ کو بالاجماع داخل کعبہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی بناء پر یہ حکم ہے کہ طواف حطیم کے پیچھے سے کیا جائے۔ نہ یہ کہ حطیم کو چھوڑ کر کیا جائے[1]

حجاج بن یوسف کے بعد تعمیر بیت اللہ کے دور

چونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہیئت تعمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور منشاء کے مطابق تھی۔ اور حجاج نے اپنی نخوت و غرور کے باعث اس کو گوارا نہ کیا تو ہارون رشید نے اپنے زمانہ میں ارادہ کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر پھر حسب فرمان نبوی ابن زبیر کی بناء کی طرف لوٹا دی جائے۔ امام مالک رحمۃ اللہ سے فتویٰ دریافت کیا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔ اور فرمایا! بار بار خانہ کعبہ کی عمارت میں رد و بدل اور شکست و ریخت سے بیت اللہ کی عظمت لوگوں کے دلوں سے جاتی رہے گی اور بیت اللہ بادشاہوں کے ہاتھ کا کھیل ہو جائے گا۔ کہ ہر ایک آئے گا۔ اور پچھلے بادشاہ کی عمارت کو برداشت نہ کرتے ہوئے اسکو

---

[1] فتح الملہم جلد ۳ صفحہ ۳۶۸

ڈھا کر از سرِ نو بنایا کرے گا۔ غرض یہ تعمیر سلطان مراد بن احمد سلطان روم کے زمانہ تک باقی رہی۔ اور شاہان اسلام اسی عمارت کی مرمت کرتے رہے۔ لیکن جب یہ عمارت بہت کہنہ ہو گئی۔ سلطان مراد رابع (جو عثمانی خاندانی کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھے۔) نے ۱۰۳۹ھ ایک ہزار انتالیس ہجری میں از سرِ نو بیت اللہ کی تعمیر کا ارادہ کیا۔

بیت اللہ کے تعمیری زمانوں کی اجمالی فہرست

امام نووی رحمۃ اللہ نے سلطان مراد رابع کی تعمیر سے قبل بیت اللہ کے تعمیری ادواری کی فہرست اس طرح بیان کی ہے۔ فرمایا کہ تعمیر بیت اللہ پانچ مرتبہ ہوئی۔

(۱) بناء ملائکہ ۔۔۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا۔

(۲) بناء ابراہیمی علیہ السلام

(۳) بناء قریش مکہ ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال قبل

(۴) بناء عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ۶۴ھ

(۵) بناء حجاج بن یوسف ۷۴ھ

علامہ ازرقی نیز بعض مورخین نے خانہ کعبہ کے تعمیری دور اس طرح بیان کئے ہیں۔

(۱) بناء ملائکہ

(۲) بناء حضرت آدم علیہ السلام

(۳) بناء حضرت شیث علیہ السلام

(۴) بناء حضرت ابراہیم علیہ السلام مع حضرت اسماعیل علیہ السلام

(۵) بناء قوم عمالقہ۔ قبل الظہور قریش۔

(۶) بناء قوم جرہم " " "

(۷) بنا قوم مضر۔ " " "

(۸) بناء قریش۔ قبل البعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۹) بناء عبداللہ بن زبیر ۶۴ھ

(۱۰) بناء حجاج ۷۴ھ

جزوی طور پر ایک تعمیر اس کے بعد بھی ثابت ہوتی ہے۔

(۱۱) بناء سلطان مراد رابع ۱۰۳۹ھ، ۱۰۴۰ھ

اس کے بعد سے بیت اللہ آج تک اسی عمارت پر قائم وموجود ہے۔

گیارہویں صدی ہجری کی ابتداء میں تعمیر بیت اللہ

صاحب تاریخ الحرمین نے بعض مؤرخین کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ گیارہویں صدی کی ابتداء میں ہی بیت اللہ کی اس دیوار میں جو جانب شام ہے۔ شگاف پڑ گیا تھا۔ جب ۱۰۱۹ھ ہجری میں ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں بارشیں کثرت سے ہوئیں تو یہ شگاف زائد ہو گئے۔ اور اس سال کی بارش سے سیلاب حرم میں پہنچ کر خانہ کعبہ کے اندر پانی بھر گیا اور اس کی وجہ سے شرقی اور غربی دیوار اور حجر اسود کی دونوں جانب کی دیواروں کو کافی نقصان پہنچا تو سلطان احمد بن سلطان محمد نے ارادہ کیا کہ بیت اللہ کی اس عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کر دی جائے لیکن علماء نے منع کیا۔ اور کہا کہ شکستہ پتھروں کا جڑاؤ سیسہ وغیرہ جیسی کسی چیز سے کر دیا جائے۔ سلطان احمد نے اسی کے مطابق پتھروں کا زرد سیسہ سے جڑاؤ کر دیا جس پر سونے کے پتروں کا خول جڑ دیا گیا۔ اور یہ کام ۱۰۲۰ھ سے

شروع ہو کر سنہ ۱۰۲۱ ہجری میں پایہ تکمیل پر پہنچا۔ جس پر تقریباً اسی ہزار دینار خرچ ہوا۔

گیارہویں صدی کے وسط میں دوبارہ بیت اللہ کی تعمیر

مکہ مکرمہ میں سنہ ۱۰۳۹ ہجری (ایک ہزار انتالیس ہجری) میں اس سے زائد شدید بارش ہوئی جو سنہ ۱۰۱۹ ہجری میں ہوئی تھی۔ ماہ شعبان سنہ ۱۰۳۹ ہجری میں برسنے والی بارش کی نظیر قدیم تاریخ عرب میں نہیں ملتی۔ بارش کا پانی حرم میں داخل ہوا۔ یہاں تک کہ بیت اللہ کی دیواریں کئی کئی گز پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی ایک دیوار گر گئی جو شامی رکن والی تھی اور غربی دیوار بھی دونوں جانبوں سے شکستہ ہو گئی تو سلطان مراد رحمۃ اللہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔

سنہ ۱۰۳۹ھ قبل از رمضان یہ تعمیر شروع ہو کر رمضان المبارک سنہ ۱۰۴۰ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اور یہ عمارت آج تک قائم ہے اس وقت سے لیکر آج تک اس تعمیر میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی مرمت کی نوبت آئی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حجاج نے جو تعمیر کی تھی یہ تعمیر بالکل اسی کے مطابق تھی۔ اور حجاج کی بناء قریش کی تعمیر پر تھی جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے .....

سلطان مراد نے بیت اللہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا۔ اور اندر کی دیواروں پر بھی اکثر سنگ مرمر ہی لگا ہوا ہے۔ اور تین تین ستون نہایت عمدہ لکڑی کے دو صفوں میں قائم کئے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے زمانہ میں تھے۔ چھت کے نیچے کے حصہ کی نہایت عمدہ مخمل کے کپڑے سے چھت بندی کی گئی۔ اور اوپر سے گچ کا پلاسٹر کرایا گیا۔ دیواروں کی سنگ خارا سے چونے میں چنائی کرائی۔ دیواروں پر لپائی تو نہیں کرائی البتہ نہایت نفیس اور قیمتی سیاہ ریشمی پردہ غلاف کے طور پر خانہ کعبہ پر ڈالا۔ جس کے اوپر کے کناروں پر کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اور آیات **واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت** اور **اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا** وغیرہ لکھوائی گئیں۔ جو آج تک غلاف کعبہ پر سونے کے تاروں سے لکھی جاتی ہیں۔

بیت اللہ کی تعمیر میں درمیانی مدتوں کے فاصلے

بناء ابراہیم علیہ السلام اور بناء قریش کی درمیانی مدت .... ۲۶۴۵ (دو ہزار چھ سو پینتالیس) سال

بناء قریش اور بناء عبداللہ بن زبیر کی درمیانی مدت... ۸۲ (بیاسی) سال

بناء ابن زبیر اور بناء حجاج کی درمیانی مدت... ۱۰ (دس) سال

حجاج اور سلطان مراد کی تعمیر میں درمیانی مدت.... ۹۶۶ (نو سو چھیاسٹھ) سال

خانہ کعبہ کی بلندی اور دیواروں کی پیمائش

محققین و مورخین نے کعبۃ اللہ کی بلندی اور دیواروں کی پیمائش بھی ضبط کی ہے۔ اگرچہ ان حدود کے بیان میں لقول کچھ مختلف ہیں۔ اس اختلاف کا منشا بظاہر پیمانوں کا اختلاف اور ان کی حدود کی اصطلاحی تحدید و

تعین کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ بیت اللہ کی عمارت کی بلندی اور دیواروں کی پیمائش اس تعمیر کے لحاظ سے جو حجاج نے کی تھی اور اسی کے مطابق سلطان مراد کی تعمیر ہے حسب ذیل ہے

	متر	گز
بیت اللہ کی بلندی سطح زمین سے آسمان کی جانب	۱۵ متر	۱۶ گز کم ۴ انچ
بیت اللہ کی دیوار کی لمبائی مشرقی جانب سے حجر اسود تک	۱۱ متر ۵۸ سنتی	ساڑھے بارہ گز سے قدرے زائد
بیت اللہ کی دیوار کا طول مغربی جانب سے رکن یمانی تک	۱۱ متر ۹۳ سنتی	۱۲ گز ۲۵ انچ
بیت اللہ کی دیوار کا طول رکن شامی سے رکن غربی تک	۱۰ متر ۲۲ سنتی	۱۱ گز تقریباً
بیت اللہ کی دیوار کا طول رکن یمانی سے رکن حجر اسود تک	۱۰ متر ۲۲ سنتی	تقریباً گیارہ گز
حجر اسود کی سطح زمین سے بلندی[۵]	ایک متر ۵۰ سنتی	ڈیڑھ گز سے قدرے زائد
بیت اللہ کے دروازے کی لمبائی	۲ متر	۲ گز اور چھ انچ
میزاب رحمت سے حجر اسماعیل تک کا طول	۸ متر ۳۶ سنتی	تقریباً ۹ گز

---

۵ حرم شریف کے فرش سے بلندی کم ہوگئی ہے۔

دیوار کعبہ سے مقام ابراہیم تک کا فصل[1]	۱۱ متر ۱۰ سنتی / تقریباً ۱۲ گز
دیوار کعبہ سے مطاف تک کا فاصلہ غربی جانب اور رکن یمانی کی سمت سے - - -	۱۵ متر[2] ۸۰ سنتی / تقریباً پونے سترہ گز
عمارت بیت اللہ کی سطح زمین سے بلندی	۲ متر / ۲ گز اور ۴ انچ

حجر اسود

اس سیاہ گول بیضوی پتھر کا نام ہے جو کعبۃ اللہ کے مشرقی جانب کے ایک گوشہ میں تقریباً ڈیڑھ گز کی بلندی پر نصب ہے جو چاندی کے حلقہ میں جڑا ہوا ہے۔ حجر اسود کی سیاہی میں ایک عجیب قسم کی سرخی شامل ہے جس میں متعدد جگہ سرخ نقطے بھی پائے جاتے ہیں۔ حجر اسود کے دونوں جانبوں میں جبکہ اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں تو ایک عجیب طرح کے دو نشان نظر آتے ہیں جن پر بالخصوص رات کے وقت ایک چمک دکھائی دیتی ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ یہ پتھر جنت کا ایک یاقوت ہے۔ حضرت آدم

---

[1] دیوار کعبہ سے مقام ابراہیم تک یہ فاصلہ ۱۳۸۸ھ ہجری تک کا ہے۔ ۱۳۸۹ھ کے زمانہ حج سے قبل مقام ابراہیم تقریباً چھ گز پیچھے کر دیا گیا - ۱۲

[2] ایک میٹر ۴۰ انچ کا ہوتا ہے جبکہ ایک گز کی مقدار ۳۶ انچ ہے۔ اسی تفاوت کے لحاظ سے متر سے ضبط کردہ حدود کو گزوں کی پیمائش میں بیان کر دیا۔ بعض کتب تاریخ میں پیمائش قدرے فرق کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

نے اس کو بیت اللہ کے اس گوشہ میں نصب کیا۔ حضرت ابراہیم نے تعمیر کعبہ میں اسی کونہ میں اس کو رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدت کے ساتھ اس کو چوما۔ اس وجہ سے اس کا بوسہ دینا طواف کی سنت مقرر کیا گیا۔ اس کا چومنا رحمت خداوندی کا مستحق بناتا ہے اور آنحضرت نے فرمایا کہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ یہ حجر اسود جنت سے جب اتارا گیا تو دودھ سے زائد سفید تھا۔ بنی آدم کی خطاؤں نے اس کو سیاہ کر دیا۔ اور یہ بھی فرمایا گیا کہ یہ ایک نورانی ٹکڑا تھا۔ اللہ نے اس کے نور کو مستور فرما کر اور چھپا کر دنیا میں نازل فرمایا۔ اگر اس کے نور کو چھپایا نہ جاتا تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن و منور کر دیتا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حجر اسود قیامت کے روز میدان حشر میں اس طرح اٹھایا جائے گا۔ کہ اس کی زبان ہوگی اور دو آنکھیں ہونگی جو اپنے چومنے والوں کو دیکھتا ہوگا۔ اور ان کی حاضری بیت اللہ اور چومنے کی گواہی دیتا ہوگا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس تک پہنچا دیا گویا اس نے اللہ رب العزت کے دست بے چوں وچگوں کو چھونے کی سعادت حاصل کرلی۔ (ابن ماجہ)

اور ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ رکن (حجر اسود) اللہ کا دایاں ہاتھ ہے زمین پر۔ گویا کہ پروردگار عالم اپنے اس بندے سے مصافحہ فرماتا ہے جو اس کو چومتا ہے اور استلام کرتا ہے اور ایک روایت میں یہ لفظ بھی مذکور ہے۔ جو مسلمان بندہ اس کو چومتے ہوئے اللہ سے جو کچھ مانگے گا۔ اللہ

ضرور اس کو وہ چیز عطا فرمائے گا۔ (ازرقی)

شیخ ابو الطاہر المخلص نے اپنے فوائد میں اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ لفظ بھی ذکر کیا ہے۔ پس جس کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کا زمانہ نہیں پایا اور وہ یہ سعادت حاصل نہ کر سکا تو وہ حجر اسود کو چھونے اور اس کو بوسہ دے لے۔ گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کرنے والا ہو جائے گا۔

باب کعبہ

خانہ کعبہ کا دروازہ سب سے پہلے بنانے والے کون ہیں؟ اس بارہ میں مختلف روایات ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ انوش بن شیث بن آدم ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ میں پتھر کا ہی دروازہ تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ قوم جرہم نے جب بیت اللہ کی تعمیر کی تو دروازہ کے طور پر دو بازو بھی بنا دیئے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ تُبَّع ثالث نے سب سے پہلے بیت اللہ کا دروازہ بنایا جو یمن کے بادشاہ ہوئے۔ یہ ایک بادشاہ آنحضرت کی بعثت سے کئی ہزار سال قبل گذرا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں اسی کو بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے والا شخص بھی سب سے پہلے یہی تُبَّع شاہ یمن ہے۔ ازرقی نے یہ مضمون ابن جریج سے بھی روایت کیا ہے۔ بہر کیف یہ سب کچھ قریش کی تعمیر سے قبل کا واقعہ ہے۔ قریش نے اپنے زمانہ میں جب تعمیر کی تو دو چوکھٹوں والا ایک دروازہ نصب کیا۔ اور کواڑوں میں قفل کا بھی انتظام کیا

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ ابن زبیر سے قبل بیت اللہ کے دروازہ کی زمین سے بلندی گیارہ ہاتھ کے بقدر رکھی۔ ابن زبیر نے جب دروازہ تعمیر کیا تو اس کی بلندی اتنی ہی رکھی۔ جب حجاج نے تعمیر کی تو سطح زمین سے بلندی پر دروازہ نصب کر کے اس کی لمبائی چھ ہاتھ اور ایک بالشت کے برابر رکھی۔

۱۹۴ھ ہجری میں خلیفہ ہارون رشید نے عامل مکہ کو اٹھارہ ہزار دینار بھیجے تاکہ سونے کی پتیوں والے چوکھٹ اور (کواڑ) باب کعبہ کے تیار کرائے جائیں۔ تو کواڑوں کی تیاری پر عامل مکہ نے اٹھارہ ہزار دینار سے زائد صرف کئے اور نہایت ہی عظیم الشان چوکھٹ اور کواڑ تیار کرائے۔

میزاب کعبہ

بیت اللہ کے اس میزاب (پرنالہ) کو میزاب رحمت کہا جاتا ہے۔ جو کعبۃ اللہ کی چھت سے مقام حطیم کے تقریباً وسط میں گرتا ہے۔ قدرے دائیں جانب مائل ہے۔ سونے کی تختی کا بنا ہوا یہ میزاب ایک بالشت چوڑا اور تقریباً آٹھ انگشت اونچا ہے۔ اور دو بازو کے بقدر دیوار سے باہر نکلا ہوا ہے۔ میزاب رحمت کے نیچے ایک سبز رنگ کا مستطیل محرابی شکل کا پتھر ہے۔ جو ایک دوسرے سبز رنگ کے گول پتھر سے متصل ہے۔ ان دونوں کی چوڑائی ڈیڑھ بالشت ہے۔ احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ کہ میزاب رحمت کے نیچے دعا قبول ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں دعا کرنیوالوں کا ہجوم رہتا ہے علامہ ازرقی نے بیان کیا ہے کہ بیت اللہ کا سب سے پہلے میزاب قریش نے بنایا تھا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس

تھی۔ اور یہ ایسی نوعیت سے نصب کیا گیا ہے کہ اس کا پانی حجر اسماعیل علیہ السلام پر گرتا ہے۔ علامہ قرشی نے بیان کیا کہ میزاب رحمت کا طول چار ہاتھ ہے۔ اور اس کی وسعت یعنی بلندی آٹھ انگشت کے بقدر ہے۔ اور چوڑائی ایک بالشت ہے۔

بعض تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ میزاب رحمت کی جانب رکن عراقی سے قریب حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کی قبریں بھی ہیں۔ واللہ اعلم

میزاب رحمت سے دونوں رخ سونے کے پتر چڑھے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے جس شخص نے میزاب رحمت پر سونے کے پتر چڑھائے وہ ولید بن عبد الملک ہے اور سونے کا پر نالہ بنانے والا سب سے پہلا کاریگر رامشت نامی شخص ہے شیخ نجم الدین نے ۵۳۷ھ کے واقعات میں یہ بیان کیا ہے کہ ابوالقاسم ابراہیم جو رامشت بن الحسین کے نام سے معروف ہے جس کا مکہ مکرمہ میں ایک مشہور رباط ہے وہ مکہ مکرمہ پہنچا اور ساتھ ہی اس کا خادم مثقال بھی پہنچا جس کے ساتھ کعبۃ اللہ کے لئے میزاب موجود تھا۔ جس کو اس کے آقا رامشت نے بنایا تھا۔ اور سونے کے اس میزاب کو ۵۳۹ھ ہجری میں کعبۃ اللہ میں لگایا۔

میزاب کعبہ میں تبدیلی واقعہ ہوتی رہی۔ مختلف زمانوں اور اوقات میں ایسا ہوا کہ پچھلے میزاب کی جگہ دوسرا نیا میزاب لگا دیا گیا۔ کبھی تو اس وجہ سے کہ سابق میزاب بوسیدہ ہو جاتا۔ تو اس کو نکال کر دوسرا تبدیل کر دیا جاتا۔ اور کبھی بعض سلاطین اور اہل ثروت لوگ نیا میزاب خانہ کعبہ کیلئے ہدیہ کرتے اور پہلا میزاب تبرکاً اتار کر رکھ لیتے۔ چنانچہ رامشت کے میزاب کے بعد امیر المومنین المقتفی العباسی نے تیار کرایا اور کعبۃ اللہ میں نصب کیا۔ اور یہ واقعہ سنہ ۵۴۱ھ یعنی پچھلے میزاب کے دو سال بعد بیان کیا گیا ہے۔

---

۵ تاریخ الحرمین

اس کے بعد پھر ایک میزاب ناصر عباسی نے بنوایا۔ اور اس میں اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ غالباً اس خیال سے کہ بیت اللہ کی چھت کا پانی اس کے نام پر سے گذرے۔ یہ میزاب اصل میں لکڑی کا بنایا گیا۔ لیکن پانی کے بہاؤ کی جگہ سیسہ چڑھا دیا گیا اور اوپر سے سونے کا خول اس پر لگا دیا گیا۔

علامہ ابن فہد نے بیان کیا ہے کہ امیر سوودن باشا نے ایک میزاب ۷۸۱ھ میں بنوایا تھا جس کو تمام حرم میں بہایا۔ لیکن بعض مورخین نے تحصیل المرام کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ میزاب ۹۵۹ھ ہجری میں بیت اللہ سے اکھاڑ لیا گیا تھا۔ اور اسی وضع اور ہیئت کا پرنالہ چاندی کا جس پر سونے کا طلائ کیا ہوا تھا۔ سلطان سلیمان کے حکم سے اسی سال موسم حج میں لگایا گیا۔ اور پرانے میزاب کو روم کے خزانہ میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ لیکن بنو شیبہ اس بارے میں حائل ہوئے اور اس کے عوض دو ہزار آٹھ سو درہم چاندی کے دے کر قدیم میزاب رہنے دیا۔

اس زمانہ کے بعد پھر جو میزاب بیت اللہ کی عمارت میں نصب کیا گیا۔ وہ سلطان احمد خان کا تھا۔ جو ۱۰۲۰ھ میں لگایا گیا۔ اور ایک سونے کی تختی بھی بھیجی۔ جس کو بیت اللہ کے دروازہ پر لگایا جائے۔ اس پر یہ آیت لکھی ہوئی تھی۔ ولِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً۔

تحصیل المرام میں نقل کیا ہے کہ یہ میزاب سلطان احمد خان نے ۱۰۲۱ھ میں تیار کرایا تھا۔ جیسا کہ اس سفید پتھر پر لکھا ہوا ہے جو باب بیت اللہ والی دیوار کے دائیں کنارے پر دیوار کے پشتہ پر ہے۔ جس پر یہ مکتوب ہے "امر بتجدید السقف و میزاب الرحمۃ فی سنۃ الف واحدی تسعین" کہ سلطان احمد خان نے بیت اللہ کی چھت کی تجدید کا اور میزاب رحمت کا حکم دیا

سنہ ۱۰۹۱ھ میں۔ لیکن تحصیل المرام میں اس تاریخ کے نقل کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے کیونکہ اس سفید پتھر پر جو سنہ لکھا ہے وہ اس طرح ہے۔ ان عمل المیزاب المنوه فی سنۃ سنہ ۱۰۲۱ھ۔

پھر اس کے بعد جو میزاب تیار کرایا وہ سلطان عبد المجید خان کی طرف سے تھا جو انہوں نے قسطنطنیہ میں بنوایا اور وہ الحاج رضا پاشا کے ساتھ مکہ مکرمہ بھیجا گیا۔ اور کعبۃ اللہ میں اسے سنہ ۱۲۷۶ ہجری میں لگایا گیا۔ اس وقت والی مکہ شریف عبد اللہ مرحوم تھے۔ اس کے بعد میزاب قدیم الواب عالیہ کی طرف بھیجدیا گیا۔ تاکہ تبرکا محفوظ رہے۔ یہ میزاب سونے کی تختی تقریباً ۲۵ سیر وزنی ہے۔ اس کے بعد سے آج تک اور کوئی میزاب تبدیل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

حطیم دراصل بیت اللہ ہی کا ایک حصہ ہے

بناء کعبہ کی تاریخ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حطیم بیت اللہ کا وہ حصہ ہے۔ جو قریش نے اپنے زمانہ میں بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ جو سات ذراع کے بقدر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حِجر (یعنی حطیم) کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! بیان کرتی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ تھی کہ اس حصہ کو تعمیر سے چھوڑ دیا گیا۔ فرمایا۔ تمہاری قوم کے پاس نفقہ کی کمی تھی۔ (اس بناء پر اس حصہ کو جدا کر دیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ یا رسول اللہ... ! میں چاہتی ہوں بیت اللہ کے اندر نماز پڑھوں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حطیم میں داخل کر دیا۔ اور فرمایا۔ جب کبھی تم خانہ کعبہ میں داخل ہونا

چاہو تو اس جگہ آجایا کرو۔ یہ بھی بیت اللہ کا ایک ٹکڑا ہے۔

اسی وجہ سے حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے یہ دونوں باتیں برابر معلوم ہوتی ہیں۔ خواہ میں بیت اللہ کے اندر نماز پڑھوں یا حطیم میں۔

اس روایت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کہ حطیم کا حصہ تعمیر کعبہ سے چھوٹ گیا۔ اللہ رب العالمین کی ایک خاص رحمت بن گیا۔ کہ یہ ایک کھلی جگہ ہے ہر شخص جب چاہے اس میں بیٹھ سکتا ہے عبادت کر سکتا ہے۔ اگر عمارت کے احاطہ میں یہ حصہ بھی آجاتا تو کعبۃ اللہ کے اندر عبادت کی فضیلت صرف اسی صورت میں جبکہ بیت اللہ کا قفل کھولا جاتا اور ظاہر ہے کہ اس میں شاذ و نادر ہی کسی کو یہ سعادت نصیب ہوتی۔

کعبۃ اللہ کی دیواروں کا پشتہ

بیت اللہ کی تین جانب دیواروں کے ساتھ پتھروں کا ایک پشتہ کوہان کی سی صورت کا بنا ہوا ہے۔ شرقی و شمالی جانب چونکہ حطیم ہے۔ اس وجہ سے اس جانب کوئی پشتہ نہیں اور میزاب رحمت والی دیوار کے ساتھ بھی پشتہ نہیں بنایا گیا۔

تاریخ مکہ میں بیان کیا گیا کہ جس قدر حصہ پر یہ پشتہ موجود ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر جس بنیاد پر تھی اسی پر یہ بنایا گیا ہے۔ بناء ابراہیمی میں دیوار کی ضخامت زائد تھی۔ قریش نے تعمیر کے وقت دیوار کا عرض کم کر دیا تھا۔ تو اس کے بقدر یہ پتھروں کا پشتہ رکھ دیا گیا۔ غرض یہ کہ یہ پشتہ درحقیقت دیوار کعبہ ہی ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا کردہ عمارت کی دیواران پتھروں کے باہر کے کنارے کی محاذات میں بلندی تک گئی تھیں۔ یہی قول جمہور علماء اور مورخین کا ہے۔

علمائے مورخین نے ان پتھروں کی تعداد بھی ضبط کی ہے۔ چنانچہ علامہ ازرقی نے بیان کیا ہے کہ بیت اللہ کی تینوں دیواروں کے گرد کل ۶۸ پتھر ہیں۔

رکن غربی سے رکن یمانی تک ۲۵ پتھر۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کا طول ساڑھے تین ذراع ہے اور وہ اس جگہ سے ہے جہاں پشت بیت اللہ والا دروازہ بند کیا گیا۔ اس میں اور رکن یمانی میں چار ذراع کا فاصلہ ہے۔ اور رکن یمانی کے پشتہ میں ایک گول پتھر ہے۔

رکن یمانی سے حجر اسود تک ۱۹ پتھر۔

رکن شامی سے رکن حجر اسود تک ۲۳ پتھر۔

باب کعبہ کے بعد یہ پشتہ ختم ہو گیا۔ ملتزم سے حجر اسود تک جو جگہ بقدر دو ذراع ہے اس میں کوئی پشتہ نہیں ہے۔ پشتہ کی بلندی ۱۶ انگشت ہے اور عرض ایک ذراع ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ بعض جگہ بلندی ایک بالشت ہے۔ اور بعض جگہ ڈیڑھ بالشت۔

غلاف کعبہ

ابتداء تاریخ میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ سب سے پہلے بیت اللہ پر غلاف چڑھانے والا شخص یمن کے بادشاہوں میں سے تُبّع حمیری ہے۔ جس نے دور جاہلیت میں ایک مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ وہ بیت اللہ پر غلاف چڑھا رہا ہے۔ تو یمن کی حبری چادروں کا غلاف تیار کر کے بیت اللہ پر ڈالا۔ اسی کا نام اسعد حمیری تھا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسعد حمیری یعنی تُبّع کو برا کہنے سے منع فرمایا۔ اور یہ فرمایا۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے کعبۃ اللہ پر غلاف چڑھایا۔ پھر یہی دستور قریش کے زمانہ

میں رہا۔ اور متعدد قبائل پر غلاف کی تیاری اور اس کے مصارف کی ذمہ داری عائد کردی جاتی تھی۔ اور یہ قبائل نہایت قیمتی کپڑوں دیباج و مخمل کا غلاف تیار کرتے تھے جس کے اندر اور باہر کے حصہ پر عمدہ قسم کی خوشبوئیں لگائی جاتی تھیں۔ یہ سلسلہ قصی بن کلاب کے زمانہ سے جاری ہوا۔ جب ابو ربیعۃ بن مغیرۃ جو عبداللہ بن مخزوم کے بیٹے تھے کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ ایک سال میں تنہا اپنی طرف سے کعبۃ اللہ کا غلاف تیار کراؤں گا۔ اور ایک سال قریش کے تمام قبیلے مل کر تیار کر لیا کریں۔

روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غلاف چڑھایا اور اسی طرح حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی۔ قباطی اور دیباج پردہ کے کپڑے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ عثمان غنی کے زمانہ سال میں دو مرتبہ غلاف چڑھایا جاتا۔ جس کے دو حصے ہوتے تھے۔ ایک اوپر کا دوسرا حصہ دیواروں کے نیچے کے حصہ کا۔ موسم حج گذرنے کے بعد نیچے کا پردہ بھی لٹکا دیا جاتا اور اسکو اوپر والے پردہ کے ساتھ سی دیتے تھے۔

خلیفہ مامون کے زمانہ میں تین مرتبہ غلاف تبدیل کیا جانے لگا۔ اور اس زمانہ میں سرخ رنگ کا کپڑا بھی استعمال کیا گیا۔ ایک دفعہ ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو تبدیل کیا جاتا۔ پھر رجب کے شروع میں اور اس کے بعد عید رمضان پر۔ یہ دستور ۲۴۰ سنہ ہجری تک رہا۔ لیکن پھر خلفاء عباسیین کے بعد جب زمانۂ ضعف اور ان سلطنتوں کے اضمحلال کا ہوا تو غلاف کعبہ مختلف سلاطین اسلام کی طرف سے آنے لگا۔ کبھی مصر سے اور کبھی یمن۔ کچھ عرصہ بعد شاہ مصر سلطان ملک صالح بن السلطان نے پابندی کے ساتھ ہر سال بھیجا۔ پھر اسی کے مطابق عرصۂ دراز تک حکومت مصر ہی یہ سعادت حاصل کرتی رہی۔ اب سے چھ سال قبل

مصری حکومت اور سعودی عرب کے تعلقات میں کشیدگی ہوئی تو سعودی عربیہ نے مصری حکومت نے قبول نہیں کیا۔ ایک مرتبہ پاکستان سے بھی بھیجا گیا۔

منبر مسجد حرام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے خلفاء راشدین کے دور تک امام حرم مکہ میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ خانہ کعبہ کے سامنے کبھی اور کبھی حجر اسماعیل کے قریب۔ یہاں تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حیب آیا۔ تو انہوں نے مسجد حرام میں منبر رکھوایا۔ علامہ ازرقی اور علامہ قطب الدین نے تاریخ مکہ میں بھی بیان کیا ہے کہ حرم مکہ میں منبر پر خطبہ دینے والے سب سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان ہیں۔ اور چھوٹا سا منبر تھا جس کی تین سیڑھیاں تھیں۔ یہی منبر بعد میں برقرار رہا۔ کبھی خراب ہو جاتا تو مرمت کر دی جاتی۔ لیکن اس پہ کچھ اضافہ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک جب خلیفہ ہارون رشید نے حج کیا تو اس کے واسطے ایک نہایت قیمتی اور منقش منبر ہدیہ کے طور پر بھیجا گیا۔ جو نو سیڑھیوں کی بلندی کا تھا۔ تو اس کے بعد یہی منبر حرم مکہ کا منبر ہو گیا۔ اس کے بعد مقتدی عباسی کے وزیر نے ایک عظیم الشان منبر تیار کرایا جس پہ ایک ہزار دینار خرچ کئے گئے۔ لیکن جس وقت یہ منبر مکرر ہو گیا ہے مکہ مکرمہ پہنچا تو اس کو آگ لگا دی گئی۔ کیونکہ وہ اس وجہ سے بھیجا گیا کہ خلیفہ مقتدی اس پر خطبہ دے اور اس کو مصریوں نے گوارا نہ کیا۔ اس دور کے بعد متعدد زمانوں میں منبر تیار کرائے گئے۔

زمانہ خلافت ملک اشرف شعبان ۔ والی مصر ۷۶۶ھ

زمانہ ملک ظاہر برقوق ۔ والی مصر ۷۹۷ھ (یہ منبر زمانہ دراز تک باقی رہا)

زمانہ الملک المؤید ۔ والی مصر ۸۱۸ھ (اس پر سب سے پہلے ساتویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا گیا۔ اور اس سے پہلا منبر اس کے بعد ترک کر دیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔
علامہ قطب الدین حنفی نے وزیر مقتدی العباسی کے منبر کے بارہ میں یہ بھی بیان کیا ہے (کتاب تاریخ مکہ میں) کہ یہ منبر بغداد سے تیار کرا کر بھیجا تھا جس پر سونے کے نقش سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔
کتاب اتحاف الوریٰ میں شیخ نجم الدین الوشی نے ذکر کیا ہے کہ ۷۹۷ھ ملک ظاہر نے ایک منبر اس منبر کے بجائے بھیجا جو شعبان بن حسین نے ۷۶۶ھ میں تیار کرایا تھا اور ملک ظاہر کا بھیجا ہوا یہ منبر مکہ مکرمہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو پہنچا۔ اور ۸۱۵ھ میں ایک منبر شیخو والیٔ مصر نے بھیجا تھا۔ جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک منبر ۸۶۶ھ میں اور ملک اشرف نے ۸۷۷ھ میں بھیجا۔ اس کے بعد ۲۵ ذی قعدہ ۸۷۹ھ کو ایک نیا منبر باب السلام کے بالمقابل قائم کیا گیا۔ یہ تمام منبر حرم میں مرور زمانہ کے بعد باقی نہ رہے۔ ۸۷۹ھ میں رکھا جانے والا منبر لکڑی کے منبروں میں آخری منبر تھا۔
اس کے بعد سفید مضبوط چمکدار پتھروں کا بنا ہوا منبر سلطان سلیمان بن سلیم خاں نے ۹۶۶ھ میں حرم مکہ میں بھیجا۔ یہ منبر بیت اللہ کے بالمقابل مقام ابراہیم کے سامنے اور چاہ زمزم کی دائیں جانب ہے جو آج تک قائم ہے۔ یہ منبر تیرہ سیڑھیوں کا ہے اور اوپر سنگ مرمر کے نہایت عمدہ چار ستونوں پر برج نما ایک چھتری بنی ہوئی ہے۔ جس پر سونے کا طلا کیا ہوا ہے۔ صدیوں کے گذرنے پر بھی اس کی چمک اور خوبصورتی اور دل آویزی میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔
مورخین نے لکھا ہے اس منبر میں جو حسن صنعت اور لطافت کی رعایت رکھی گئی دنیا میں شاید ہی کوئی منبر اس درجہ کا ہو۔

اس منبر مبارک کی غربی جانب جو بیت اللہ کی سمت پر واقع ہے۔ یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:۔

الحمد للّٰہ رب العالمین ۔ قد بنٰی سلیمان منبر البلد الامین

اور مشرقی جانب منبر پر یہ لکھا ہوا ہے:۔

اِنَّہٗ من سلیمان و انہٗ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ۔ صدق اللّٰہ جلّ اسمہٗ سنہ ۹۶۶ ہجری

علماء مورخین نے بیان کیا ہے کہ علماء نے اس منبر مبارک کی تعریف اور خصوصیات پر متعدد کتابیں تالیف کیں ۔ قصائد اور نظموں میں اس منبر عظیم کی ایمانی عظمتوں کو بیان کیا ہے ۔ درحقیقت یہ اس اخلاص اور جذبہ کا ثمر ہے جس کی ساتھ سلطان سلیمان نے یہ منبر تیار کرایا۔ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کیا سعادت ہو سکتی ہے کہ اس کا تیار کرایا ہوا منبر کعبۃ اللہ کے سامنے ہو اور صدیوں سے اس پر خطبے دئے جا رہے ہوں۔

مسجد حرام دور جاہلیت اور ابتداء اسلام میں

کتاب الاعلام میں علامہ قطب الدین حنفی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر کی تو کعبہ کے اردگرد نہ کوئی عمارت تھی اور نہ دیواریں تھیں اور یہ چیز اس زمانہ میں بیت اللہ کی حرمت اور تعظیم کی خاطر اختیار کی گئی تھی ۔

جب ایک عرصہ کے بعد بیت اللہ کی تولیت قصی بن کلاب کے حوالے ہوئی اور وہی کعبۃ اللہ کا کلید بردار ہوا۔ تو اس نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ کعبہ کے چاروں طرف کچھ مسقف عمارتیں بنائی جائیں ۔ اس دور میں لوگ بیت اللہ کی

عظمت و حرمت کے یہ بات منافی سمجھتے تھے کہ اس کے اطراف مکانات بنائے جائیں۔ یا مکہ مکرمہ میں بحالت جنابت داخل ہوں اور طریقہ یہ تھا کہ دن کے وقت مکہ میں رہتے اور رات ہوتی تو پہاڑوں کی طرف نکل جاتے تھے تو اس رواج کے برعکس قصی بن کلاب نے کہا کہ اے لوگو! اگر تم بیت اللہ کے گرد سکونت اختیار کروگے تو لوگوں پر ہیبت و عظمت ہوگی اور کوئی قوم تم پر حملہ آور نہ ہو سکے گی۔ اور نہ کوئی تم سے قتال کرے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے قصی بن کلاب نے شامی جانب دارالندوہ بنایا۔ بیان کیا گیا ہے یہ جگہ حطیم کے سامنے وہ تھی جو مقام حنفی کہلاتی تھی۔ اور اسی طرح قصی نے باقی جانبیں دوسرے قبائل پر تقسیم کر دیں تو تمام قبیلوں نے اپنے مکانات بنانے شروع کئے۔ اور دروازے کعبہ کی طرف کھولے۔ اور اپنے مکانات اور کعبۃ اللہ کے درمیان کچھ جگہ چھوڑ دی تاکہ بیت اللہ کا طواف کرنے والے طواف کر سکیں۔

یہ جگہ وہی ہے جو اب حرم شریف میں مطاف کہلاتی ہے۔ الغرض یہ سلسلہ بڑھتا رہا اور اطراف بیت اللہ میں بنائے ہوئے مکانات وسیع اور بلند ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ مکانات کا یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آنے پر شعب بنی ہاشم تک پہنچ گیا۔ جو اس جگہ کے قریب واقع ہے۔ جس کا نام آج کل "شعب علی" ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احاطہ (یا مکان) میں تھی۔ گویا یہی عمارات جو بیت اللہ کے اطراف میں بنائی گئی تھیں۔ غالباً اسلام کے بعد مسجد حرام کی صورت اختیار کر گئیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی عمارات کافی رہیں۔ لیکن کثرت فتوحات اور مسلمانوں کے ہجوم کے باعث عمر فاروق رضی اللہ عنہ

رضی اللہ نے دیگر مکانات خرید کر ان کو بھی مسجد میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد پھر عثمان غنی رضی اللہ نے حرم میں مزید توسیع کی۔

علامہ ماوردی رحمہ نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں نقل کیا ہے کہ مسجد حرام شروع میں کعبۃ اللہ کے گرد محض ایک میدان و احاطہ تھا جس میں طواف بیت اللہ کرنے والے طواف کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی ایسی دیوار نہ تھی جو احاطہ کرنے والی ہو۔ البتہ کعبہ کے اطراف مسقف عمارتیں تھیں جنہوں نے بیت اللہ کا احاطہ کر رکھا تھا۔ اور ان عمارتوں میں ہر طرف سے دروازے تھے۔ جن سے لوگ داخل ہوتے اور نکلتے تھے۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور فتوحات کی وجہ سے لوگوں کی کثرت ہو گئی تو فاروق اعظم نے مسجد کی توسیع فرمائی۔ ان عمارتوں کو خرید کر منہدم کیا اور مسجد میں اضافہ کر دیا۔ اور احاطہ کے طور پر ایک چھوٹی دیوار چاروں سمت قائم کرا دی جس پہ چراغ رکھے جاتے تھے۔

اور بیان کیا کہ مسجد حرام کی احاطہ والی دیوار بنانے والے سب سے پہلے شخص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو چاروں جانب کے کچھ اور مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر لئے۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ۲۶ھ میں رات کے وقت عمرہ کے ارادہ سے مسجد حرام میں داخل ہوئے تو طواف فرمایا اور پھر حکم دیا کہ مسجد حرام کی توسیع کی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد[1] مسجد حرام کی پیمائش

تاریخ الحرمین میں شیخ عباس کرارہ نے قدیم زمانہ میں مسجد حرام کی پیمائش حسب ذیل تفصیل کے مطابق نقل کی ہے۔

حرم شریف کی مشرقی جانب کی دیوار سے شرقی برآمدہ کے سائبان کے کنارے تک ـــ ۱۷ متر ۵۰ سنتی (یعنی ساڑھے اٹھارہ گز سے قدرے زائد ½۱۸ گز)

شرقی برآمدہ سے باب بنی شیبہ تک ـــ ۶۳ متر ۴۰ سنتی (یعنی ½۶۸ گز سے قدرے زائد)

صحن مطاف کا طول باب بنی شیبہ سے صحن کے اس کنارہ تک جو مقام مالکی سے متصل یعنی سمت جنوب ـــ ۴۸ متر ۸۰ سنتی (یعنی ۵۲ گز)

صحن کا کنارہ سمت جنوب سے مغربی جانب کے کنارے تک ـــ ۵۲ متر ۴۵ سنتی (یعنی تقریباً ۵۶ گز)

مغربی جانب کے سائبان سے برآمدہ کے سامنے والی دیوار تک ـــ ۱۴ متر ۹ سنتی (یعنی ۱۵ گز سے کچھ زائد)

کل مسجد حرام کا طول مشرق سے مغرب تک = ۱۹۶ متر[2] ۴ سنتی

دیوار حرم شمالی سے جنوب تک سائبان کے کنارہ سے دوسرے سائبان کے کنارہ تک ـــ ۱۵ متر ۱۵ سنتی (یعنی ۱۶ گز)

---

[1] یہ پیمائش اس زمانہ کی ہے جبکہ عبداللہ بن الزبیر نے حرم شریف میں اضافہ فرمایا تھا۔ بعض مورخین یہ پیمائش عمر فاروق کی توسیع کے بعد بیان کرتے ہیں۔

[2] ایک متر ۴۰ انچ کا ہوتا ہے اس لحاظ سے گزوں کا حساب لگا لیا جائے۔ ۱۲

شمالی برآمدہ سے مقام حنفی کے سمت والے مطاف کے کنارہ تک —
— ۲۸ متر ۹۵ سنتی (یعنی ۳۰ گز سے قدرے کم)

صحن جانب شمال سے جانب جنوب تک — ۴۷ متر ۴۵ سنتی
(یعنی ۴۸½ گز)

صحن جانب جنوب سے سمت مشرق تک — ۳۱ متر ۴۰ سنتی
(یعنی ۳۳½ گز)

جانب جنوب کے برآمدہ باب اجیاد صغیر والی دیوار تک — ۲۰ متر
۵ سنتی (یعنی تقریباً ۲۱½ گز)

کل مسجد حرام کا عرض شمال سے جنوب تک = ۱۴۲ متر ۷ سنتی

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

مسجد حرام کے توسیعی دور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات کے بعد مسجد حرام میں متعدد مرتبہ توسیع و اضافہ کیا گیا۔ مورخین کے بیان کے مطابق اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) توسیع زمانۂ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۔ سنہ ۱۷ھ مطابق سنہ ۶۳۸ء
(۲) توسیع زمانۂ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۔ سنہ ۲۶ھ مطابق سنہ ۶۴۶ء
(۳) توسیع زمانۂ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۔ سنہ ۶۵ھ مطابق سنہ ۶۸۴ء
(۴) توسیع ولید بن عبد الملک بن مروان ۔ ۔ ۔ سنہ ۹۱ھ مطابق سنہ ۷۰۹ء
(۵) توسیع ابو جعفر المنصوری ۔ ۔ ۔ سنہ ۱۳۷ھ مطابق سنہ ۷۵۴ء
(۶) توسیع خلیفہ محمد المہدی عباسی ۔ ۔ ۔ سنہ ۱۶۰ھ مطابق سنہ ۷۷۶ء / سنہ ۱۶۴ھ مطابق سنہ ۷۸۰ء

(۷) اضافہ دار الندوہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سنہ ۱۸۱ھ مطابق ۷۹۶ء

خلیفہ مہدی عباسی کے بعد حرم شریف کے شمالی جانب اس دار الندوہ کا اضافہ کیا گیا جس کو اس وقت باب الزیادۃ کہا جاتا ہے۔

(۸) توسیع مقتدر باللہ عباسی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سنہ ۳۰۶ھ

یہ وہ اضافہ ہے جو رحبۂ باب ابراہیم کہا جاتا ہے۔ علامہ قطب الدین حنفیؒ نے بیان کیا ہے۔ مقتدر باللہ کے محاسن سے یہ چیز شمار کی گئی کہ اس نے مسجد حرام میں باب ابراہیم کا اضافہ کیا۔

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مسجد حرام میں توسیع و اضافہ کا سلسلہ یہاں تک پہنچا۔ سعودی عربیہ کے شاہ سعود اور موجودہ شاہ فیصل کی توسیع اور جدید حرم شریف کی تعمیر سے قبل تک حرم شریف اسی ہیئت پر رہی جو مقتدر باللہ عباسی نے اپنے زمانہ میں تعمیر کی۔ البتہ بعد میں متعدد سلاطین مصر اور ترکی اس عمارت کی تجدید و اصلاح کرتے رہے بعض تعمیریں سلاطین جراکسہ سنہ ۸۲۵ھ میں کیں۔ اور کچھ تعمیر سلطان قائیبائی جو ایک مصری بادشاہ تھا سنہ ۸۸۰ھ مطابق سنہ ۱۴۷۷ء میں کی۔ اس کے بعد سلاطین آل عثمان یعنی عثمانی بادشاہوں نے کی۔

سلطان سلیمان نے سنہ ۹۷۲ھ مطابق سنہ ۱۵۶۴ء میں عمارت کی تجدید کی۔ سلطان سلیم نے سنہ ۹۸۰ھ مطابق سنہ ۱۵۷۲ء میں تمام حرم شریف کی تعمیر کی تجدید کی اس طرح کہ کل عمارت از سر نو نہایت پختگی سے بنوانی شروع کی۔ جو روم اور ترک کے فرمانروا تھے۔

حرم شریف کی تعمیر میں ترک بادشاہوں نے جس بلند حوصلگی اپنی محنت اور دولت صرف کی ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ترکوں کے بعد

پورا پورا حق کر دیا حکومت سعودیہ نے خدمت حرم کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔
۹۷۲ھ میں سلطان سلیمان نے عمارت حرم کی تجدید و مرمت کی۔ اسکے بعد ۹۸۰ھ میں سلطان سلیم خان شہنشاہ ترک و روم نے حرم شریف کی تعمیر کی۔ سلطان سلیم، سلطان ترک و روم سلیمان کے صاحبزادے تھے۔

علامہ قطب الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ۹۸۰ھ میں حرم شریف کی عمارت اور چھت بوسیدہ ہو گئی تھی۔ چھت لکڑی کے تختوں کی تھی۔ اور بہت سی جگہوں کے تختے گل کر ضائع ہو گئے تھے۔ حرم شریف کا برآمدہ بھی کمزور ہو گیا تھا اور سیل کی وجہ سے متعدد جگہوں سے وہ جھک گیا تھا۔ اس وجہ سے سلطان السعادۃ والمجد شاہ سلیم خان نے حرم شریف کی تعمیر کا مقصد کیا۔ فن تعمیر کے بڑے بڑے ماہرین امیر احمد بک کی نگرانی میں تعمیر حرم پر مامور کر دیئے گئے۔ امیر احمد بک نہایت عابد و زاہد اور اہل علم اور صلحاً سے محبت رکھنے والے شخص تھے۔ انہوں نے کمال دیانت اور محنت و شغف سے حرم شریف کی تعمیر کے کام کی ابتدا کی۔

۹۸۰ھ ربیع الاول کے وسط میں مکہ مکرمہ کے تمام معززین اور علماء و مشائخ کی موجودگی میں تعمیر حرم شریف کا سلسلہ باب السلام کی طرف سے شروع کیا گیا۔

مسجد کی مشرقی دیوار نہایت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ بلکہ منہدم ہونے کے قریب تھی۔ پہلے اس دیوار کو ہٹا کر بنیاد تک پہنچا دیا گیا۔ پھر از سر نو بنیاد سے تعمیر شروع کی۔ اور ۶ جمادی الاول ۹۸۰ھ تک اس حصہ کی صفائی کے بعد ایک عظیم الشان تقریب کی صورت میں مشائخ اور بزرگوں کی موجودگی میں قرآن کریم کی تلاوت اور صدقات و خیرات کے ساتھ بنیاد اٹھانی شروع کی گئی۔ اور

عظیم الشان پتھروں کے ستونوں پر چھت قائم کی گئی۔ اس طرح سے کہ چار چار ستونوں پر ایک ایک گنبد بنایا گیا۔ یہ ستون حجر شمسی اس پہاڑ کے استعمال کئے گئے جو منبر شمس کے قریب واقع ہے جو جدہ کی سمت پر واقع ہے اس مقام پر کچھ زرد رنگ کے بڑے پہاڑ ہیں۔ نوان پہاڑوں کے ہی پتھر سے ہی ستون تراشے گئے اور سفید ستونوں کے درمیان یہ زرد ستون رکھے گئے تاکہ مضبوطی کے علاوہ تعمیری خوبصورتی اور زینت پیدا ہو جائے۔ پھر اسی ترتیب سے حرم شریف کی باقی تینوں جانبوں کی تعمیر کی گئی۔ اور ستونوں کی یہی نوعیت رکھی کہ ہر تین سفید ستونوں کے بعد ایک زرد ستون۔ اور ستونوں کی یہ ترتیب دیکھنے سے ایسی معلوم ہوتی ہے گویا یہ سب کعبۃ اللہ کے گرد صف بستہ ہیں جس طرح نمازی بیت اللہ کے چاروں جانب صفیں بنائے نماز میں کھڑے ہوں۔ یہ ستون بھی صف بستہ بیت اللہ کے گرد کھڑے ہیں۔

اور یہ تو اللہ رب العزت کا فرمان ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح و پاکی بیان کرتی ہے اور عبادت میں مشغول رہتی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ تکوینی طور پر ان ستونوں کی یہ ہیئت کذائی کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ کی مصداق ہو۔

امیر احمد بیگ کی نگرانی میں حرم شریف کا سلسلہ تعمیر جاری رہا۔ حرم شریف کی مشرقی اور شمالی جانب کی تکمیل ہوتے ہی سلطان سلیم خان دار دنیا سے دار الخلد دار النعیم کی طرف رخصت ہو گئے۔ ہر انسان کے واسطے اللہ نے جو وقت لکھ دیا ہے اس کی زندگی اس سے ایک لمحہ بھی زائد نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ۹۸۲ھ ۷، رمضان المبارک کو وفات فرمائی۔ ان کے بعد ان کے جانشین سلطان اعظم خاقان اکرم سلطان مراد خان ابن سلطان سلیم خان نے اپنے والد محترم کے نقش

قدم پر چلتے ہوئے حرم شریف کی تعمیر کی تکمیل کی سلطان مراد نہایت صاحب عزم اور باہمت بادشاہ تھے۔ بچپن ہی سے تلاوت قرآن ذکر و عبادت کا خاص شغف تھا۔ بلند حوصلگی ایسی تھی کہ قرنوں میں اس کی نظیر نہیں ملی۔ عظمت اور جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کی شان ان کے سامنے حقیر معلوم ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ جنوبی اور مغربی جانب کی عمارت بھی اسی شان کے ساتھ سلطان احمد بک کی نگرانی میں سنہ ۹۸۴ھ میں تکمیل کے مرحلوں پر پہنچی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سلطان سلیم اور سلطان مراد کا یہ عظیم کارنامہ تاریخ عالم میں یادگار واقعہ ہے۔

قدیم حرم شریف کی یہی عمارت آج تک قائم ہے۔ سعودی عربیہ کے شاہ سعود اور ان کے بعد سلطان المجید دو الملکرم شاہ فیصل نے حرم جدید کی جو توسیع کی ہے۔ وہ بھی تاریخ عالم میں ایک بے مثال کارنامہ ہے۔

خداوند عالم ان سب سلاطین کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے سرفراز فرمائے آمین یارب العالمین۔

سلطان مراد کی تعمیر میں حرم شریف کے ستون، محرابیں اور قبے!

سنہ ۹۸۴ھ میں سلطان مراد نے حرم شریف کی جو تعمیر کی اور جس عمارت پر قدیم حرم آج تک موجود ہے۔ اس کے ستونوں کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

حرم شریف کے چاروں جانب برآمدوں میں ستونوں کی تعداد ۴۶۹

دروازوں کی جگہ پر نصب کئے ہوئے ستونوں کی تعداد ۲۷

کل مجموعہ ۴۹۶

تفصیل حسب ذیل ہے:۔

مشرقی جانب والے حصہ میں ۸۸

شمالی " " " ۱۰۲

جنوبی " " " ۱۴۰

غربی " " " ۸۷

دارالندوہ اور باب ابراہیم والے حصہ میں ۷۷

کل مجموعہ ۴۹۴

مشرقی جانب کے تمام ستون پتھروں کے ہیں بجز اس ایک ستون کے جو باب علی کے قریب ہے۔ کہ وہ گچ اور چونہ کا بنا ہوا ہے۔

شمالی جانب کے ۱۴۴ چار ستون بجز ۱۴ کے سب پتھر کے ہیں۔

حرم شریف کے ان ستونوں میں سے اکثر و بیشتر ستون پہاڑ کی چٹانوں سے تراشے ہوئے ہیں اور بہت سے ستونوں کے درمیان لوہے کی سلاخیں اور سیسہ بھرا گیا ہے[۵]۔

علامہ قطب الدین حنفی نے محرابوں اور محرابوں پر بنے ہوئے گنبدوں کی تعداد بھی ضبط کی ہے۔

برآمدوں کے چھت پر نمایاں قبوں کی کل تعداد ۱۵۲

مسجد حرام کے شرقی حصہ میں ۲۴

" شمالی یعنی شامی جانب والے حصہ میں ۳۶

رکن مسجد حرام میں منارہ حزورہ کے متصل ۱

کتاب الاعلام میں جانب غربی اور جنوبی کے قبوں کی تعداد مذکور نہیں ہے۔ شاید طباعت سے رہ گئے۔ شیخ عباس کرارہ نے اپنی کتاب تاریخ الحرمین میں

---

۵ کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام۔

بیان کیا کہ میں نے ان جانبوں کے قبوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد حسب ذیل ہے:۔

مسجد حرام کے جنوبی جانب والے حصہ میں ۳۶

" " غربی " " " ۲۴

باب ابراہیم والے حصہ میں ۱۵

دارالندوہ والے حصہ میں ۱۶

کل مجموعہ ۱۵۲

محرابوں کی کل تعداد ۲۳۲ ہے۔

شمالی جانب میں ۶۲

غربی " " ۴۳

جنوبی " " ۶۴

شرقی " " ۳۹

دارالندوہ والی زیادت میں ۲۴

مجموعہ ۲۳۲

ان کے علاوہ منارہ باب السلام کے قریب ۲

باب العمرہ سے متصل ۱

کل مجموعہ ۲۳۵

قدیم مسجد حرام کے دروازے اور منارے

سلطان مراد کی بنائی ہوئی ۹۸۴ھ والی عمارت ۱۹ عدد دروازوں پر مشتمل ہے جن کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

مشرقی جانب میں ۴ دروانے ہیں۔ (۱) باب السلام جس کو باب بنی شیبہ بھی کہا جاتا ہے۔
(۲) باب الطاقان جسکو باب النبی اور باب الجنائز بھی کہا جاتا ہے۔
(۳) باب العباس
(۴) باب علی۔ اور اسی کو باب بنی ہاشم بھی کہا جاتا ہے۔

جنوبی جانب میں ۷ دروانے ہیں۔ (۱) باب بازان
(۲) باب النخلہ
(۳) باب الصفا اسی کو باب بنی مخزوم بھی کہا جاتا ہے
(۴) باب اجیاد صغیر
(۵) باب الرحمۃ
(۶) باب مدرسۃ الشریف عجلان
(۷) باب ام ہانی رض

مغربی جانب میں تین دروازے۔ (۱) باب الحزورہ
(۲) باب ابراہیم
(۳) باب العمرہ

شمالی جانب میں پانچ دروانے۔ (۱) باب السدہ جسکو باب عمرو بن العاص بھی کہا جاتا ہے
(۲) باب الباسطیہ کیونکہ مدرسہ عبدالباسط کے متصل تھا
(۳) باب دارالندوہ جسکے قدیم زمانہ میں دو حصے تھے
(۴) ....
(۵) باب السلام جہاں منارہ باب السلام ہے

کل تعداد ابواب حرم شریف = ۱۹

ان دروازوں میں سے باب بنی شیبہ، باب ابراہیم، باب عمرہ، باب دارالندوہ باب الحزور اور باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیم ہیئت تعمیر پر باقی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے دروازوں کی تجدید کر دی گئی ہے۔ باب بنی ہاشم بھی نیا بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی قدیم عمارت زیادہ شاندار اور حسین و جمیل تھی۔

قدیم حرم شریف کے چھ منارے تھے جن پر پنجگانہ نمازوں کے لئے اذانیں کہی جاتی تھیں۔

(۱) منارہ باب العمرہ ۔ ۔ ۔ جس کو سلاطین بنو عباس میں سے ابو حفص منصور ثانی نے بنایا تھا۔ اس کے بعد وزیر صاحب موصل محمد الجواد ۵۵۱ھ میں پہلے رئیس المؤذنین اس منارہ پر اذان شروع کرتا تو اس کے تمام موذنین اللہ اکبر اللہ کی صدائیں بالترتیب بلند کرتے تھے۔ لیکن پھر کچھ عرصہ بعد اذان کی ابتدا منارۂ باب السلام سے ہونے لگی۔ اسی منارۂ باب السلام پر رمضان مبارک میں سحر کی اذان بھی کہی جاتی تھی۔

(۲) منارہ باب السلام ۔ ۔ ۔ جس کو سب سے پہلے مہدی العباسی نے باب السلام کی تعمیر کے بعد بنایا۔ اسی مہدی العباسی نے ۱۶۸ھ میں حرم شریف کی توسیع کی تھی۔

ے اب سے چند سال قبل تک ان مناروں پر بیک وقت اذانیں ایک عجیب کیف پیدا کرتی تھیں مسلسل اور بتدریج کلمات اذان کی ان تمام مناروں سے صدائیں قلب میں ایمانی رقت اور عظمت خداوندی اور شوکت اسلام کا عظیم اثر پیدا کرتی تھیں۔ لیکن اب حرم مکہ معظمہ میں صرف ایک ہی اذان کردی گئی۔

(۳) منارۂ عسلی رضی اللہ عنہ . . . اس کو بھی مہدی العباسی نے بنایا تھا۔

(۴) منارۂ حزور . . . . . . اس کو بھی مہدی العباسی نے بنایا تھا۔ یہ ۸۱۶ھ میں گر گیا تھا تو پھر اس کو بنایا گیا۔

(۵) منارۂ باب الزیادہ . . .

(۶) منارۂ مدرسۃ السلطان۔ جو مسعیٰ کی جانب ہے۔

(۷) منارۃ السلطان سلیمان۔ جو منارہ باب السلام اور باب الزیادہ کے درمیان ہے (کذا فی کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام)

بعض مورخین قدیم زمانہ کی حرم شریف کے بعض اور مناروں کا بھی ذکر کیا ہے جن کو بعد میں منہدم کر دیا گیا۔

میقات حرم

حرم شریف کی حرمت و عظمت کی خاطر خداوند عالم مکہ مکرمہ کے چاروں اطراف مواقیت مقرر فرمائے ہیں کہ اس سے آگے کسی شخص کو بغیر احرام کے گذرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ خواہ وہ شخص حج و عمرہ کی نیت سے جا رہا ہو یا کسی اور غرض سے۔ جیسے کہ امام ابو حنیفہ کا بھی مسلک ہے۔ حدیث میں وارد ہے۔ الا لایجاوز احدالمیقات بغیر احرام۔ کہ خبردار ہرگز کوئی شخص میقات سے آگے بغیر احرام نہ تجاوز کرے۔ جیسے لوگ بادشاہوں کے درباروں میں عجز و انکسار اور دربار شاہی کے قواعد کے لحاظ کے بغیر داخل نہیں ہوتے اسی طرح یہ حکم بیت اللہ کی عظمت اور ہیبت و جلال کے پیش نظر مقرر فرمایا گیا ہے۔ تو اللہ جل جلالہ کے دربار میں حاضری کے خصوصی آداب

ف امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک احرام کی پابندی صرف اس شخص کے حق میں ہے جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جا رہا ہو۔ ۱۲

جن مقامات سے عائد ہیں ان کو میقات کہا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) میقات ذوالحلیفہ . . . اہل مدینہ اور ان لوگوں کے لیے جو مدینہ کی طرف سے مکہ مکرمہ آنا چاہیں۔ جو مدینہ منورہ سے بسمت مکہ پانچ میل کی مسافت پر ہے۔

(۲) میقات جحفہ . . . . . . جو ذوالحلیفہ کی محاذات میں واقعہ ہے۔ اہل شام اور ان لوگوں کے لیے جو اس راستہ سے مکہ مکرمہ آ رہے ہوں۔

(۳) میقات قرن المنازل . . . اہل نجد اور ان لوگوں کے لیے جو اس راستہ سے گذریں۔

(۴) میقات یلملم . . . . . . اہل یمن اور ان لوگوں کے لیے جو اس کی محاذات سے گذریں۔ اہل پاکستان و ہند کے لیے یہی میقات احرام ہے۔ یمن کے راستہ پر سمندر کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اہل ایران کے لیے بھی جو عدن کے راستہ سے آئیں ان کا بھی یہی میقات ہے۔

(۵) میقات ذات عرق . . . جو مکہ مکرمہ سے تقریباً ۳۲ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ اہل عراق کا میقات ہے۔

حرم مکہ

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف کئی کئی میل تک جگہ کا نام ہے۔ جس میں شکار کی حرمت کر دی گئی ہے اور درختوں کے پتے جھاڑنا اور گھاس اکھاڑنا بھی ممنوع

ہے۔ اوران حدود کے اندر رہنے والے جانوروں کو بدکانا اور باہر نکالنا بھی جائز نہیں ۔ حدود حرم کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف ٹیلوں کے نشان تھے ۔ لیکن بعد میں سلاطین نے حدود حرم پر بڑے بڑے دروازے بنا دیئے ہیں ۔

جدہ کی جانب سے حدیبیہ کے مقام سے پہلے ایک دروازہ ہے ۔ اسی طرح مدینہ منورہ کے راستہ پر مقام تنعیم پر دروازے بنے ہوئے ہیں اور بجانب طائف مزدلفہ اور عرفات کے درمیان دروازہ ہے ۔ ان حدود سے باہر کا علاقہ حِل کہلاتا ہے ۔ حدود حرم کے اندر جس قدر مکانات اور محلے ہیں ۔ وہ بھی حرم کی عظمت و حرمت میں داخل ہیں ۔

صفا حرم شریف سے متصل جنوب مشرق میں ایک پہاڑی تھی ۔ جو اب گویا حرم شریف کی عمارت میں داخل ہو گئی ہے ۔ اس پہاڑی کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ کر مسلسل ایک عالیشان دو منزلہ برآمدہ کی صورت میں مروہ تک متصل کر دیا گیا ہے ۔ اس پہاڑی کے کچھ اوپر کے پتھر کھلے ہوئے چھوڑ دیئے گئے ہیں ۔

مروہ اس کے بالمقابل شمال مشرق کی جانب واقع پہاڑی کا نام ہے ۔ ان دونوں کے درمیان عمرہ اور حج میں سعی مقرر کی گئی ۔ جو حضرت ہاجرۃ علیہا السلام کی یادگار ہے ۔ قرآن کریم نے اسی کو بیان فرمایا ہے ۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ ۔ اس کے درمیان وہ جگہ جو تیز دوڑ کر طے کرنے کی ہے اس کو میلین اخضرین کہتے ہیں ۔ یہ نشیبی جگہ تھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز دوڑ کر چلے تھے ۔ اب اس جگہ کو دونوں جانب سبز رنگ کے ستونوں سے نمایاں کر دیا گیا ہے ۔

منیٰ ۔ مکہ مکرمہ مسلسل دو پہاڑوں کے درمیان بسا ہوا شہر ہے پہاڑوں کا یہی سلسلہ دور تک مشرق شمال کی طرف چلا گیا ۔ مکہ مکرمہ سے تین میل کی

مسافت کے بعد اسی سلسلہ کے میدان میں یہ جگہ واقع ہے جس کو منیٰ کہا جاتا ہے
اب یہ جگہ بھی ایک شہر کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ ایام حج میں حُجاج آٹھویں
تاریخ کو ظہر سے قبل یہاں آجاتے ہیں۔ پھر نویں ذوالحجہ کی صبح نماز کے بعد
یہاں سے عرفات روانگی ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر دسویں تاریخ کی صبح کو واپسی
ہوتی ہے اور پھر ...... بارہ تاریخ کی شام تک یہاں قیام رہتا ہے۔ اور مغرب
سے قبل مکہ مکرمہ کی طرف روانگی ہوجاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص چاہے تو ۱۳ تاریخ
کو بھی منیٰ میں مقیم رہے۔ منی میں تین جمرات ہیں ایک جمرۂ اولی دوسرے
کو جمرۂ وسطیٰ اور تیسرے کو جمرۃ العقبہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہی جگہیں ہیں جہاں حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو شیطان نے ڈگمگانا چاہا تھا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام،
اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کے ارادے سے منحر کی طرف لے جارہے تھے۔ حضرت ابراہیم
نے شیطان کو کنکریاں مار کر بھگایا تھا۔ اسی یادگار کے لئے ان جمرات کی رمی کا حکم
مقرر فرمایا گیا۔

منحر۔ منیٰ میں وہ جگہ جہاں قربانی کی جاتی ہے

مزدلفہ۔ منیٰ سے شمال مشرق ہی کی سمت تین میل آگے ایک جگہ کا نام ہے۔
یہ ایک میدان ہے جو اس پہاڑ کے ساتھ واقع ہے جس کو قرآن کریم نے مشعر حرام
کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ جیسے کہ ارشاد ہے۔ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ
الْحَرَامِ۔ عرفات سے واپسی کے بعد ذوالحجہ کی دسویں رات کو حجاج اسی جگہ
ٹھہرتے ہیں۔

عرفات۔ اسی سمت مزدلفہ سے آگے بڑھ کر جو طویل و عریض میدان ہے اس
کو عرفات کہا جاتا ہے۔ یہاں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو حجاج مغرب تک وقوف کرتے
ہیں۔ دعاؤں کی قبولیت کیلئے یہ خاص وقت اور بہترین مقام ہے۔ یہ میدان جبل

رحمت کے دامن دور تک بجانب طائف چلا گیا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جس کے بارہ میں حدیث میں آتا ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذرّیت کو نکال کر اسی مقام نعمان یعنی عرفات میں جمع کر کے ان سے عہد لیا تھا۔ امام شام کے وقت پہاڑی پر اسی جگہ کھڑے ہو کر جہاں روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ دینا ثابت ہے۔ خطبہ دیتا ہے جس میں خداوند عالم کی حمد وثنا اور تسبیح و تقدیس کے ساتھ احکام حج کا بیان اور گناہوں سے توبہ و استغفار کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ کہ یہ اوقات حق تعالیٰ کی خاص رحمتوں کے نزول کے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ کی رحمتیں طلب کریں۔

* * * ※ * * *

مدینہ منورہ
اور
اس کے مبارک نام

علامہ سمہودی نے کتاب "وفاء الوفاء" میں مدینہ منورہ کے ان اسما کو بیان کیا ہے جن کا ثبوت تاریخ سے یا ان کا اطلاق اس سرزمین پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ فرمایا۔ مدینہ منورہ کا ایک نام أَثْرِبَ ۔ بروزن مسجد۔ یہ نام حضرت نوح کی اولاد میں سے ان کا ہے جو اس سرزمین میں آکر بسے۔ انہی کے نام پر یہ جگہ موسوم ہوئی۔ اسی لغت کو بعد میں یثرب کہا جانے لگا۔

(۲) ارض اللہ ۔ کیونکہ آیۃ الم تکن ارض اللہ واسعۃ میں اسی جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) ارض الھجرۃ (۴) آکلۃ البلدان ۔(۵) آکلۃ القریٰ (۶) الایمان یعنی دار الایمان (۷) البارۃ ۔(۸) البرۃ (۹) البحرۃ (۱۰) البُحَیرۃ (۱۱) البَحِیُرۃ (۱۲) البلاط (۱۳) المبطلۃ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ لا اقسم بھذا البلد سے یہی سرزمین مراد ہے۔ (۱۴) بیتُ الرسول (۱۵) الجُنَّۃُ الحصینۃُ (۱۶) الحُبَیبۃ ۔ (۱۷) الحرم (۱۸) حرم رسول اللہ (۱۹) حسنۃ (۲۰) الخیرۃ (۲۱) دار الابرار (۲۲) دار الاخیار (۲۳) قُبّۃُ الایمان ۔ (۲۴) دار السلامۃ (۲۵) دار الھجرۃ (۲۶) سَلَقَہ ۔ توراۃ میں مدینہ منورہ کا یہی نام بیان کیا ہے (۲۷) سیدۃ البلدان (۲۸) الشافیہ (۲۹) طابہ (۳۰) طَیْبَہ ۔ حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں یعنی اس کو طابہ کہوں۔ اور توریت میں بھی مدینہ کا ذکر طیبہ نام کہا گیا ہے[ہ]۔

قاضی عیاض رح اور قاضی ابو الیدر رحمتہ اللہ نے بیان فرمایا کہ سرزمین کعبۃ اللہ کے علاوہ روئے زمین مدینہ منورہ افضل ترین جگہ ہے۔ شیخ تاج الفاکہی نے بیان کیا کہ ظاہر ہے کہ اس سرزمین سے افضل کون سی جگہ ہو سکتی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور وہ مبارک زمین آپ کے جسد اطہر کا گہوارہ ہے اور فرمایا حتیٰ کہ ملکوت سماوات کا وہ حصہ جو قدم مبارک پڑنے کی جگہ پر واقع ہے وہ بھی انوار و برکات سے چمک رہا ہے کہ آسمان کا یہ ٹکڑا آپ کے قدموں کے روندنے کی جگہ کی محاذات پر ہے۔ اور بعض آئمہ نے زمین کی آسمان پر فضیلت اسی وجہ سے بیان کی ہے۔ زمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِي التُّرْبِ أَعْظُمُهُ ... فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْأَكَمُ

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ ... فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

اے ان سب میں بہترین جن کی ہڈیاں خاک میں دفن کی گئیں۔ اور ان کی خوشبو سے میدان اور پہاڑیاں مہک اٹھیں۔ میری جان فدا ہو اس قبر (مبارک) پر جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں (درحقیقت) پاکیزگی، سخاوت اور بزرگی (مدفون) ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان سرزمین مدینہ کی طرف سمٹ کر اس طرح آ جائے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ

ہ علامہ سمہودی رح نے مدینہ منورہ کے کل ۹۴ نام بیان کئے ہیں۔ ہم نے ان میں سے یہ تیس نام بیان کئے گئے انشاء اللہ تعالے آئندہ تاریخ مدینہ پر کسی مستقل مضمون میں ان تمام اسماء اور ان کی تشریح ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ ۱۲

وسلم نے اہل مدینہ کے لئے فرمایا کہ میں روز قیامت ان کے واسطے شفیع ہوں گا ۔ جس طرح قرآن کریم نے سرزمین مکہ حرم فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ بھی حرم ہے ۔ عیر اور ثور پہاڑوں کے درمیان کا حصہ حرم کے شرف سے نوازا گیا ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی پہ مدینہ کی دیواروں کو محبت کی نگاہوں سے دیکھتے ۔ اور اس کے شوق میں سواری تیزی سے دوڑاتے ۔ مدینہ کا پھل آپ کو اس قدر پیارا تھا کہ جب موسم کا پھل اول مرتبہ آپ کے سامنے لایا جاتا ۔ اس کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے تو بار بار والہانہ جذبات اور فرط محبت میں یہ شعر پڑھا کرتے :-

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً ۔۔۔ بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ ۔۔۔ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَطَفِيلُ

اس مختصر تحریر میں فضائل مدینہ منورہ کی تفصیل مشکل ہے ۔ انشاء اللہ اس موضوع پر بھی کوئی مستقل رسالہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری اور تعمیر مسجد نبوی !

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے ہجرت

ہ مراد یہ ہے کہ اے کاش مجھے زندگی میں (پھر) ایک ایسی رات نصیب ہو جائے کہ میں اس وادی میں گذاروں ۔ مرے گرد اذخر وجلیل (مدینہ منورہ کے گھاس اور سبزہ) اور کاش کوئی ایسا دن نصیب ہو کہ میں مجنۃ مقام کے چشموں پر اتروں اور شامہ وطفیل (پہاڑ) مرے سامنے ظاہر ہوں ۔ ۱۲

فرمائی تو پہلے مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر قباء جس میں انصار کے کچھ خاندان تھے ٹھہرے۔ عمرو بن عوف کا خاندان ایک ممتاز خاندان تھا۔ کلثوم بن ھدم جو اس خاندان کے سردار تھے۔ آپ ان کے مہمان ہوئے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے۔ قبا میں رونق افروز ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلا جو کام کیا وہ مسجد قبا کی تاسیس و تعمیر تھی۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس جگہ جہاں مسجد قبا ہے تشریف لاکر انصار سے فرمایا۔ اے لوگو! میرے پاس اس سرزمین حرّہ کے پتھر اٹھا کر لاؤ۔ لوگوں نے بہت سے پتھر لاکر وہاں جمع کر دئے اور ایک ڈھیر لگا دیا۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک نیزہ تھا آپ نے اس سے قبلہ کا نشان لگایا اور پھر ایک پتھر اپنے ہاتھ سے اٹھا کر رکھا۔ یہ پتھر رکھا کر آپ نے ابوبکرؓ کو فرمایا اے ابوبکر! تم اپنا پتھر میرے پتھر سے ملا کر رکھو۔ چنانچہ ابوبکرؓ نے آپ کے رکھے ہوئے پتھر سے ملا کر اپنے ہاتھ سے ایک پتھر رکھا۔ پھر عمر فاروق کو فرمایا۔ اے عمر تم ابوبکر کے پتھر سے ملا کر اپنا پتھر رکھو۔ انہوں نے بھی اسی طرح تعمیل کی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ[1] کو فرمایا کہ تم عمر کے پتھر سے متصل اپنا پتھر رکھو۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے بالعموم تمام لوگوں کو فرمایا کہ اب جس کا دل چاہے رکھتا رہے تو لوگوں نے پتھر لاکر رکھنے شروع کر دئے۔ اور اس طرح سلسلۂ تعمیر جاری ہو گیا۔ حضرات صحابہ کے ساتھ آپ بھی پتھر لانے میں شریک ہوئے اگرچہ صحابہ بار بار عرض کرتے رہے۔ یا رسول اللہؐ آپ رہنے دیں۔ ہم حاضر ہیں اور کافی ہیں۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرطِ شوق میں خود پتھر

---

[1] صحیح یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حبشہ سے واپسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبا تشریف لانے سے پہلے ہو چکی تھی۔ ۱۲

اٹھا کر لاتے رہے۔ بسا اوقات پتھروں کو تھامنے کیلئے اپنے شکم مبارک سے پتھر لگا لیتے تھے۔ (سبحان اللہ کیسی مبارک مسجد ہے جس کے پتھروں کو یہ سعادت نصیب ہوئی آپؐ ان کو سینہ اور شکم سے چمٹا کر لاتے اور رکھتے) اسی مسجد مبارک کی فضیلت اور شان عظمت قرآن کریم کی یہ آیت بیان کر رہی ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ۔

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول دن ہی سے تقوٰی پر رکھی گئی ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اس مسجد میں ایسے مرد ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالٰے ایسے پاکباز اور صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

صحیحین عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کو مسجد قبا کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کبھی سوار اور کبھی پیادہ پا۔

قبا میں چند روز قیام کرنے کے بعد جمعہ کے روز آپؐ نے مدینہ منورہ کا قصد رفرمایا۔ ابوبکر صدیقؓ ناقہ پر آپ کے ساتھ سوار تھے اور انصار کا ایک عظیم گروہ ہتھیاروں سے آراستہ تلواریں لٹکائے آپ کے دائیں بائیں چل رہا تھا۔ ہر شخص کی یہ آرزو تھی کہ آپ اس کے ہاں فروکش ہوں۔ ہر ایک اسی کی درخواست کر رہا تھا۔ یا رسول اللہ مری مہمانی قبول فرمائیے۔ آپ ان کو دعا دیتے ہوئے فرما دیتے کہ یہ ناقہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ اللہ کا جہاں حکم ہوگا۔ یہ وہاں بیٹھ جائے گی اور میں اسی جگہ قیام کروں گا۔ آپ نے ناقہ کی مہار بالکل ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ناقہ محلہ بنی النجار میں عین اس مقام پر خود بخود بیٹھ گئی۔ جہاں اس وقت مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ ناقہ

نے اپنی گردن اس جگہ ڈال دی اور آپ اس سے اتر آئے ۔ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر آپؐ نے قیام فرمایا ۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب آپ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھی تو آپ نے فرمایا یہی منزل ہے انشاء اللہ تعالےٰ ۔ یہاں وہ لوگ جو پہلے سے مدینہ منورہ میں اسلام لا چکے تھے نماز بھی پڑھتے تھے ۔ اور یہ میدان دو یتیم بچوں کا مربد تھا ۔ یعنی کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی ۔ آپ اونٹنی سے اترتے ہوئے یہ پڑھنے لگے ۔ رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۔ آپ نے ان دونوں بچوں سہل اور سہیل کو بلایا ۔ تاکہ قیمت دیکر یہ قطعۂ زمین خرید لیا جائے ۔ اور آپ نے ان کے چچا سے بھی جن کی زیر تربیت یہ یتیم تھے گفتگو فرمائی ۔ ان دونوں نے حاضر ہو کر عرض کیا ۔ یا رسول اللہ یہ زمین ہم سے بلا قیمت قبول فرما لیجیئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا قیمت لینے سے انکار فرمایا ۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس خرمن کی قیمت ادا کر دیں ۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے بنو نجار کے پاس قاصد روانہ کیا تاکہ تعمیر مسجد کے لئے یہ جگہ خریدنے کی گفتگو ان سے کر لی جائے ۔ وہ سب فوراً حاضر ہو گئے ۔ اس طرح کہ تلواریں لٹکائے ہوئے تھے ۔ آپ نے فرمایا ۔ اے لوگو ! اپنے اس خرمن اور احاطہ کی قیمت مجھ سے طے کر لو ۔ وہ کہنے لگے ۔ یا رسول اللہ خدا کی قسم ہم اس کی قیمت صرف اللہ ہی سے طلب

کرتے ہیں۔ اور صرف اسی کی بارگاہ میں اس کے اجر و ثواب کے امیدوار ہیں۔ (نہ یہ کہ ہم اس کا کوئی دنیاوی عوض چاہیں) بہر کیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم بچوں کا لحاظ فرماتے ہوئے قیمت کے طور پر ابوبکرؓ کو ادا کرنے کے لئے فرمایا۔ ابوبکرؓ نے دس دینار دے دئے۔

آپؐ نے حکم دیا کہ اس زمین میں جو دور جاہلیت کی مشرکین کی قبریں ہیں ان کو اکھاڑ پھینکا جائے اور ان کے نشانات مٹا دئے جائیں۔ اسی طرح جو کھجور کے درخت کھڑے ہیں ان کو بھی کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ درخت اکھاڑ دئے گئے۔ اور قبریں مسمار کر دی گئیں۔ اور جو گڑھے تھے ان کو بھر دیا گیا۔ جو ٹیلے تھے ان کو ہموار کر کے زمین کی سطح سے برابر کر دیا گیا۔ اور کچھ کچی اینٹیں بنانے کا حکم دیا تو وہ بنا دی گئیں۔

روئے زمین کی اس مقدس ترین مسجد کی تعمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک ہوئے۔ اور اپنے دست مبارک سے اینٹیں اٹھا کر دیوار چننے لگے۔ "ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اینٹیں اور چنائی کا سامان (یعنی گارا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لایا گیا۔ تو آپ نے اپنی ردا مبارک (چادر) اتاری اور اپنے ہاتھوں سے اینٹیں رکھنی شروع کیں۔ تمام حضرات اپنی اپنی چادریں اتار کر تیار ہو گئے۔ کوئی اینٹ لا رہا ہے کوئی گارا تیار کر رہا ہے۔ کوئی اٹھا اٹھا کر دے رہا ہے۔ اور کوئی چنائی کر رہا ہے۔" ایک شخص نے اسی حالت میں یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک اینٹ (یا کچھ اینٹیں) اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ تو وہ فوراً آگے بڑھ کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ یہ مجھ کو دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں تو اور اینٹ اٹھا لا۔ کیا تو اللہ کی رحمت اور اجر کا مجھ سے زیادہ محتاج

ہے؟ مراد یہ تھی کہ میں یہی چاہتا ہوں کہ اس فضیلت کو میں بھی حاصل کروں نیز یہ کہ بظاہر وہ چوتھی اینٹ تھی۔ اور آپ کے دست مبارک سے رکھی ہوئی یہ اینٹیں گویا خلافت راشدہ کے دور تھے۔ اور خلافت راشدہ کا دور طریق نبوت پر تھا۔ تو آپ نے بھی چاہا کہ خلافت راشدہ کی چوتھی اینٹ بھی آپ کے دست مبارک سے رکھی جائے۔ تاکہ یہ دور بھی منہاج نبوت پر ہونے کا مستحق ہو۔

حضرات صحابہ جبکہ زمین صاف کر کے مٹی سروں پر اٹھا اٹھا کر ڈال رہے تھے اور گارا اینٹیں لا لا کر دے رہے تھے۔ ان پر انتہائی نشاط اور خوشی کے جذبات طاری تھے۔ اور ایمانی جذبات مسرت کے ساتھ رجز پڑھتے جا رہے تھے۔ جن اشعار کا مفہوم یہ تھا کہ یہ بوجھ جو ہم اس وقت اپنے سروں پر لادے ہوئے ہیں یہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ نہیں ہے۔ یہ بوجھ تو ہمارے پروردگار کے نزدیک نہایت ہی محبوب اور پاکیزہ بوجھ ہے۔ اور کبھی کہتے۔ اے اللہ۔ بس اجر تو آخرت ہی کا اجر ہے۔ اے اللہ زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کی اس رجز خوانی میں اپنی زبان مبارک سے فرماتے۔

اللھم لاخیر الاخیر الاخرۃ۔ فارحم الانصار والمھاجرۃ

بعض روایتوں میں فاغفر الانصار والمھاجرۃ ہے۔ اور بعض نسخوں میں فانصر آیا ہے۔ الغرض مسجد کی تعمیر شروع ہو گئی۔ کھجور کے کاٹے ہوئے درختوں کی قبلہ رو لائن لگا دی گئی۔ گویا وہ ستون تھے جن پر چھت رکھی جائے گی۔ اور کچی اینٹوں سے دیواریں بنائی گئی اور دروازہ کے بازو پتھر سے بنائے گئے۔ اور کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھت تیار ہو گئی۔ جس کو گارے سے

لیپ دیا گیا۔ یہ چھت اسقدر بوسیدہ تھی کہ بارش برسنے پر پانی ٹپک کر اندر آتا تھا۔ اور نماز پڑھنے کی جگہ پانی سے بھیگ جاتی تھی۔ یہ مسجد جس نے تمام عالم کو اپنے انوار اور عظمتوں سے روشن کیا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسی مرکز سے اسلام کی عظمت و شوکت پہنچی۔ یہ اسلامی عظمتوں کا مرکز اپنی سادگی میں بے مثال تھا۔ حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اُبنوہ عَرِیشاً کعریش موسیٰ۔ ایک ایسا چھپّر بنادو۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا چھپر تھا۔

حسن بصری سے پوچھا گیا کہ موسی علیہ السلام کا چھپر کیسا تھا۔ فرمایا جب ہاتھ اٹھاتے تو چھپر سے لگتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ انصار کچھ مال جمع کر کے لائے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ اس مسجد کو مزیّن کر دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا بس یہ ایک چھپر ہے۔ موسی علیہ السلام کے چھپر کے مانند۔

غالباً مراد یہ تھی کہ دنیا یہ دیکھ کر کہ اسی چھپر سے قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں تہہ و بالا کی گئیں اور ان محلوں کو اس چھپر کے نیچے بیٹھنے والوں اور صُفّہ پر رہنے والے درویشوں کے قدموں نے روندا۔ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو گئی کہ بے شک اسلام اس پروردگار کا سچا دین ہے۔ جو کائنات کا مالک ہے اور اسی کے قبضہ میں ساری طاقتیں ہیں علامہ سمہودی نے بعض محدثین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا آپ کو یہ حکم ہے کہ آپ ایک گھر (اللہ کا) بنائیں اور اس کی تعمیر گارے اور پتھر سے کریں۔ آپؐ نے فرمایا کتنا بلند کروں۔ جواب دیا۔ سات ذراع (ہاتھ) پھر جب آپ نے تعمیر شروع کی تو ایک پتھر لاکر رکھا۔ اس کے بعد ابوبکرؓ کو فرمایا کہ تم ایک پتھر لاکر اس کے قریب رکھو اور پھر عمر فاروق کو فرمایا۔ اسکے

بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو۔ اور آپ نے فرمایا۔ یہ میرے بعد میرے خلفا ہونگے

تعمیرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسجد نبوی کا طول و عرض

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء تعمیر میں مسجد کی دیواروں کی بلندی قد آدم سے کچھ زائد تھی۔ چنانچہ احادیث میں بھی یہ آتا ہے۔ وکان مقارب السقف۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ مسجد بہت نیچی چھت کی تھی۔ اس وقت چونکہ نمازیں مسجد اقصٰی (بیت المقدس) کی طرف پڑھی جارہی تھیں اس وجہ سے دیوار قبلہ بیت المقدس کی سمت رکھی گئی۔ یہ وہ دیوار ہے جس میں اب باب النساء ہے جو باب جبرئیل والی دیوار ہے اس کا بایاں گوشہ شام کی سمت ہے مسجد کے تین دروازے رکھے گئے۔ ایک دروازہ اس طرف رکھا گیا۔ جہاں اب قبلہ رو دیوار۔ اور دوسرا دروازہ مغرب کی جانب جس کو اب باب الرحمۃ کہا جاتا ہے۔ اور تیسرا مشرق کی جانب جس سے آپؐ مسجد میں آتے اور جاتے تھے۔ جس کو اب باب جبرئیل کہا جاتا ہے۔ ہجرت کے سولہ یا سترہ ماہ بعد جب بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ کر دیا گیا۔ اور بیت اللہ کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم نازل ہو گیا۔ تو جو دروازہ مسجد کے عقب میں تھا اس کو بند کر کے اس کے بالمقابل دوسرا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ جانب مشرق میں مسجد کی حد حجرہ شریفہ کی دیوار تھی۔ اور جانب مغرب میں دوسری دیوار جو قبلہ کے دائیں جانب ہے جانب مغرب میں قائم کی گئی۔

خارجہ بن زید فقیہ مدینہ سے منقول ہے مسجد کا طول ستر ذراع[۵] (ہاتھ) تھا۔ اور عرض ساٹھ ذراع۔

مسجد نبوی کے طول و عرض کے بارہ میں روایات متعدد ہیں۔

ابن النجار نے بیان کیا ۔۔۔ طول = ۷۰ ذراع ، عرض = ۶۰ ذراع

محمد بن یحییٰ نے بیان کیا ۔۔۔ شامی حد = ۵۴ اور دو تہائی ذراع ۔۔۔

اور مشرق سے مغرب کی حد ۔۔۔ = ۶۳ ذراع۔

ایک روایت میں ہے کہ طول و عرض = سو ذراع سے کچھ کم۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ طول و عرض = سو ذراع۔

ساٹھ و ستر اور سو گز کے طول و عرض کی روایتوں کا فرق اس بات پر مبنی ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمائی۔ ایک دفعہ تو ہجرت کے بعد جب کہ یہ احاطہ بنو نجار سے خرید کر اور میدان ہموار کرنے کے بعد تعمیر کی گئی۔ تو اس مرتبہ طول و عرض ساٹھ اور ستر ذراع یا اس سے قدرے کم تھا۔ دوسری دفعہ فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں تعمیر کی گئی تو اس وقت پیمائش سو ذراع طول اور سو ذراع عرض میں ہو گی۔ معجم طبرانی میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد کی توسیع کا ارادہ فرمایا تو مسجد سے متصل ایک انصاری کی زمین تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا

---

[۵] علامہ سمہودی رحمۃ اللہ نے کتاب وفاء الوفا میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ ذراع سے مراد آدمی کا ذراع (بازو) مراد ہے۔ اور یہ لفظ جب علی الاطلاق کسی جگہ بولا جائے تو یہی مراد ہوتا ہے۔ نہ کہ لوہے کا وہ پیمانہ جو مصر اور مکہ مکرمہ میں بیع و شراء میں استعمال کیا جاتا ہے (یعنی گز) اور اس ذراع کی مقدار دو بالشت سے کچھ زائد ہے۔ گویا ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ درمیانہ قد و قامت کے بالغ آدمی کے بازو کی پیمائش کے لحاظ سے۔

تم جنت کے ایک محل کے عوض یہ زمین ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔ وہ صحابی تنگدست اور کثیر العیال تھے۔ اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس قطعہ زمین کا دس ہزار درہم معاوضہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ جو قطعہ زمین آپ اس انصاری شخص سے جنت کے محل کے بدلے خریدنا چاہتے تھے۔ وہ مجھ سے اس جنت کے محل کے عوض خرید فرما لیجئے۔ آپ نے اس کو برضا و خوشنودی قبول فرما کر مسجد میں اسکو شامل کر دیا۔ اسی جگہ کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اشارہ تھا جس وقت کہ باغیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ اور اس پر بھی قدرت نہ تھی کہ حرم شریف میں آکر نماز ہی پڑھ لیں۔ تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو دوران خطاب فرمایا تھا۔ اے لوگو! کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ مسجد نبوی جب نمازیوں کے لئے تنگ ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا تھا۔ تم میں کون ہے ایسا شخص جو اس ٹکڑے کو خرید کر مسجد میں شامل کردے اس معاوضہ پر کہ جنت میں اس کے واسطے ایک محل ہو۔ تو اے لوگو! تم کو خوب معلوم ہے کہ میں نے ہی اپنی محنت کی کمائی سے خرید کر وہ ٹکڑا مسجد میں شامل کیا تھا۔ لیکن آج تم لوگوں نے مجھے اسی ٹکڑے میں دوگانہ نماز ادا کرنے سے بھی مجبور و بے بس کر رکھا ہے۔ تو اس حصہ کی تعمیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سنہ ہجری میں اسلام لائے تھے۔ اور عمرو بن العاص بھی اس تعمیر میں شامل تھے۔ جو کہ ۵ سنہ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

* * * * *

ازواج مطہرات کیلئے تعمیر حجرات

تعمیر مسجد سے فارغ ہوکر مسجد کی بائیں جانب یعنی مشرقی سمت پر آپ نے ازواج مطہراتؓ کے لئے حجروں کی بنیاد ڈالی ۔ پہلے صرف دو حجرے تیار کرائے ۔ ایک حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ۔ باقی حجروں کی تعمیر بعد میں ہوتی رہی ۔

مسجد سے متصل حارثہ بن النعمان کے کچھ مکانات تھے ۔ جب آپ کو ضرورت پیش آتی حارثہ آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے ۔ اکثر حجرے صرف کھجور کی شاخوں اور بعض کچی اینٹوں کے تھے ۔ اور دروازوں پر ٹاٹ اور پرانے کمبل کے پردے پڑے ہوئے تھے ۔ حجرے کیا تھے ۔ زہد و قناعت اور دنیا کی بے ثباتی کی پوری پوری تصویر تھے ۔ جن میں اکثر و بیشتر رات کو چراغ بھی نہیں جلتا تھا ۔ اور ظاہر ہے کہ جس گھر میں اللہ کا داعی اور سراج منیر موجود ہو تو اس میں کسی دنیوی شمع اور چراغ کی کیا حقیقت ہے ۔ اور نہ ہی اس کی کوئی حاجت ہے ۔ ازواج مطہرات کی وفات کے بعد یہ تمام حجرے مسجد نبوی میں شامل کر دئے گئے ۔ ولید بن عبد الملک کا جس وقت یہ حکم پہنچا تو تمام اہل مدینہ صدمہ سے چیخ اٹھے ۔ ابو امامہ سہل بن حنیف فرمایا کرتے تھے ۔ کاش وہ حجرے اسی حالت پر چھوڑ دئے جاتے ۔ تاکہ دنیا یہ دیکھتی کہ وہ شہنشاہ دو عالم جس کے ہاتھوں میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں رکھی گئیں ۔ اور ان کے خدام و غلاموں کے قدموں میں وہ خزانے لاکر ڈالے گئے اور انہوں نے مشرق و مغرب فتح کئے ۔ اللہ کا وہ نبی کیسے حجروں اور کیسے چھپروں میں زندگی بسر کرتا تھا ۔ حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ میں قریب البلوغ

یہ تھا کہ اس زمانہ میں ازواج مطہراتؓ کے یہ سب حجرے سمت مشرق میں بجانب شام واقع تھے۔ مغربی جانب میں کوئی حجرہ نہ تھا۔

خلفاء راشدین کے زمانہ میں مسجد نبوی کی توسیع

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں کوئی توسیع نہیں ہوئی۔ اول تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت صرف دو سال ہی تھا۔ اور پھر یہ زمانہ مسیلمہ کذاب کے متبعین اور مانعین زکوٰۃ و مرتدین سے جہاد و قتال میں گذرا۔ اس وجہ سے اس کی نوبت نہ آئی۔ صرف یہ کیا کہ جو ستون بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے گر گئے تھے ان کی جگہ نئے ستون کھجور ہی کے حسب سابق نصب کر دئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ ہجری میں سمت قبلہ اور مغربی جانب کے حصہ میں اضافہ کیا۔ مشرقی جانب میں چونکہ ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ اس وجہ سے کوئی اضافہ اس جانب میں نہیں کیا گیا۔ فاروق اعظم نے جو توسیع کی وہ بالکل اسی شان سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کی تھی کہ کچی اینٹوں سے تعمیر کرائی۔ کھجور کے ستون اور کھجور کی شاخوں اور پھر لوں ہی کی چھت رکھی۔

پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول ۲۹ھ میں تعمیر و توسیع فرمائی اور کچی اینٹوں کے بجائے عمدہ قسم کے منقش پتھر لگائے اور قلعی چونہ سے تعمیر کرائی۔ اور ستون بھی پتھر ہی کے لگوائے اور چھت سال کی لکڑی کی بنوائی بعض حضرات صحابہ کو اس سادگی میں کہ جو آنحضرت کے زمانہ میں تھی تغیر پسند نہ آیا تو ایک روز حضرت عثمان غنیؓ نے دوران خطبہ فرمایا۔ اے لوگو! تم نے

اس بارہ میں جو میگوئیاں کی ہیں ۔ اور کچھ کہا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص محض اللہ کی خوشنودی کے لئے مسجد بنائے اللہ تعالےٰ اس کے لئے ایسا ہی محل جنت میں بنادیتا ہے ۔

یہ تعمیر ماہ ربیع ۲۹ھ ہجری میں شروع ہوکر یکم محرم ۳۰ھ ہجری کو ختم ہوئی۔ گویا دس ماہ میں یہ سلسلہ تعمیر مکمل ہوگیا ۔

تاریخی روایات میں ہے کہ کثرت فتوحات سے مسلمانوں کی آمدورفت مدینہ منورہ میں زائد ہوگئی ۔ اور تعداد بھی مسلمانوں کی زائد ہوگئی ۔ تو مسجد میں تنگی ہونے لگی ۔ اس وجہ سے عمر فاروق نے مسجد کی توسیع کے لئے اطراف کے مکانات خرید لئے بجز حضرت عباس کے مکان اور ازواج مطہرات کے حجروں کے ۔ کہ ان کو رہنے دیا ۔ عمر فاروق نے حضرت عباس سے فرمایا ۔ اے عباس مسجد نمازیوں کے لئے تنگ ہوگئی ہے ۔ اور میں نے مسجد کے اطراف میں جو مکان ہیں خرید لئے ہیں تاکہ توسیع کردوں ۔ بس صرف تمہارا مکان اور ازواج مطہرات کے حجرے باقی رہ گئے ہیں ۔ اگر اپنا مکان اس سے زائد وسیع مکان کے عوض دے دو تو بہتر ہے ۔ روایات میں حضرت عباس کا ابتدًا اپنا مکان دینے سے جو انکار مذکور ہے اس کا منشا یہ ہے کہ حضرت عباس کے مکان کے نشان خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قائم کئے تھے اور اس کا پرنالہ بھی اپنے ہاتھ سے جگہ متعین فرما کر جاری فرمایا تھا ۔ تو اس وجہ سے وہ اس کو باقی رکھنا اپنے واسطے موجب سعادت سمجھتے تھے ۔ اس معاملہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ حضرت داؤد نے جب مسجد اقصیٰ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو جس جگہ تعمیری خط قائم کیا وہاں دو یتیموں کا کوئی مکان آگیا ۔ حضرت داؤد نے ان سے فروخت کردینے کیلئے کہا تو انہوں

نے انکار کیا۔ داؤد علیہ السلام قیمت کا اضافہ کرتے رہے۔ سات دفعہ یہ نوبت آئی۔ آخر میں یہ فرمایا کہ تم دونوں کو اتنا زائد مال دونگا بشرطیکہ تم مجھ سے پھر مزید مطالبہ نہ کرو۔ ان دونوں نے جب مال بہت زائد مانگا تو داؤد علیہ السلام کو یہ مقدار گراں معلوم ہوئی۔ خدا کی وحی آئی۔ اے داؤد تم جو کچھ دوگے وہ ہمارے رزق میں سے ہوگا ان کو دے دو حتیٰ کہ وہ راضی ہوجائیں۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے وہی دے دیا جو ان دو یتیموں نے طلب کیا تھا۔" اس قصہ کو ذکر کرکے حضرت ابی بن کعب نے فرمایا میں بھی اسی قسم کا فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت عباس رضؓ اس کو سن کر فرمانے لگے تو پھر یہ مکان مسلمانوں کے واسطے میں صدقہ کرتا ہوں۔ یعنی بس اس کا عوض آخرت ہی میں چاہتا ہوں دنیا میں نہیں۔ عمر فاروق رضؓ نے قبلہ کی سمت محراب نبوی سے دس ذراع کے بقدر اضافہ کیا۔ اور کل طول جانب قبلہ سے شام کی سمت ۱۴۰ ذراع تھا۔ اور دیوار حجرات مبارکہ سے سمت مغرب والی دیوار تک ۱۲۰ ذراع۔ اور جو بعض حجرے شام کی سمت واقع تھے تو ان کو عمر فاروق نے توسیع میں شامل نہیں کیا تھا۔ بلکہ ولید نے اپنے زمانہ میں ان حجروں کو داخل مسجد کیا۔ عمر فاروق نے مسجد کی جانب مشرق میں ایک حصہ کھلے میدان کے طور پر اضافہ کیا تھا جس کو بطیحا کہا جاتا تھا۔ یہ حصہ رحبۂ بطیحا بعد کے اضافوں میں مسجد کی عمارت میں داخل کرلیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسجد نبوی کی تعمیر اور توسیع

گذشتہ تفصیل سے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

سے وفاء الوفاء سمہودی، جلد اول۔

زمانہ میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی۔ چھت کھجور کی شاخیں اور پتوں کی ڈالی گئی تھی۔ اور ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ جن کو زمین پر گاڑ دیا گیا تھا۔ ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانہ میں تو کوئی اضافہ ہی نہیں ہوا۔ البتہ عمر فاروق نے توسیع کی۔ اور جو ستون بوسیدہ ہو گئے تھے ان کو بدل دیا۔ مگر سادگی میں بالکل وہی نمونہ رہا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمارت پختہ بنائی اور منقش پتھروں سے بلند کیں۔ اور چھت بھی تبدیل کی اور پختہ بنائی۔ اور حسب ضرورت مسجد کے احاطہ میں توسیع بھی کی۔

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ۲۴ھ ہجری میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرات صحابہ سے توسیع مسجد کے بارہ میں مشورہ کیا۔ کیونکہ نمازیوں کی کثرت سے مسجد تنگ ہو گئی تھی۔ بالخصوص جمعہ کے روز تو مسجد کے باہر دور دور تک نمازیوں کی صفیں ہوتی تھیں۔ تمام حضرات صحابہ نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجد کی از سر نو تعمیر کی جائے اور اس میں اضافہ بھی کیا جائے۔ تو ایک روز بعد نماز ظہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لا کر حضرات صحابہ اور تمام مسلمانوں سے اس طرح مخاطب ہوئے۔

یا ایھا الناس انی قد اردت الخ کہ اے لوگو! میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں اس بوسیدہ اور شکستہ عمارت کو منہدم کر کے از سر نو مسجد نبوی کی تعمیر کر دوں۔ اور اس میں کچھ اضافہ بھی کروں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص بھی اللہ کے لئے کوئی مسجد بنائے اللہ اس کے واسطے جنت میں ایک محل تیار فرماتا ہے۔ میں خدا کی گواہی دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ اور میرے واسطے مجھ سے پہلے گذرے ہوئے ایک مقدس پیشوا (یعنی عمر فاروق) کا نمونہ

بھی موجود ہے کہ انہوں نے مسجد کی تعمیر کی اور اس میں توسیع بھی کی۔ اور میں اکابر صحابہ اور اہل الرائے سے مشورہ کر چکا ہوں وہ تمام اس پر متفق ہیں کہ میں اس عمارت کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کروں"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ پر تمام لوگ بہت خوش ہوئے۔ اور سب نے عثمان غنی رضؓ کے لئے دعائے خیر کی۔ چنانچہ آئندہ صبح ہی کاریگروں کو بلایا۔ اور خود بھی تعمیری کام میں بنفسِ نفیس شریک ہوئے اور حضرت عثمان قائم اللیل اور صائم النہار شخص تھے۔ تمام وقت مسجد ہی میں گذارتے تھے۔ یہ تعمیری کام ربیع الاول ۲۹ھ میں شروع ہو کر محرم ۳۰ھ ہجری میں پورا ہوا۔

عبدالرحمٰن بن سفینہ بیان کرتے ہیں۔ میں دیکھتا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معماروں اور مزدوروں کے ساتھ کام کی نگرانی کرتے اور خود بھی کام میں لگے رہتے۔ اور جب نماز کا وقت آتا تو دیکھتا کہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔

حضرت عثمان نے سمت قبلہ میں کچھ اضافہ فرمایا اور قبلہ کی دیوار مقصورہ کی حد پر رکھی اور مغربی جانب میں اتنا اضافہ فرمایا جو دو ستونوں کی لائن کے بقدر ہے اور شامی جانب ۵۰ ذراع کا اضافہ کیا۔ مشرقی جانب میں حجرے ہونے کی وجہ سے کچھ اضافہ نہیں کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اضافہ کردہ حد مغربی سمت میں منبر مبارک سے اٹھویں ستون تک ہے۔ اس کے بعد دو ستونوں کی مقدار اضافہ ولید کا ہے۔ اس جگہ ایک مربعہ ستون نیچے سے اتنی بلندی کے بقدر کہ انسان بیٹھا ہوا ہو۔ وہ اضافہ عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی علامت ہے۔

اس اضافہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت عثمان کی زیادت کے بعد مسجد نبوی کا طول = ۱۶۰ ذراع[ف]

" " " " عرض = ۱۵۰ "

اور حرم شریف کے ۶ دروازے رکھے جس طرح عمر فاروق کے زمانہ میں تھے

(۱) باب عاتکہ — جو باب الرحمۃ کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) باب السلام — جس کو بعض تاریخ کی کتابوں میں باب مروان بھی کہا گیا ہے

(۳) باب النبی — صلی اللہ علیہ وسلم جو باب جبریل کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) باب النساء

(۵-۶) مسجد نبوی کی اس دیوار میں جو سمت قبلہ کے بالمقابل ہے۔

منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں کھجور کے ایک درخت یعنی تنے سے جو ستون کی طرح آپ کے مصلی کے قریب گڑا ہوا تھا۔ سہارا لیکر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی اس وقت یہاں قائم کیا گیا تھا۔ جبکہ یہ محسوس کیا گیا کہ آپ پر خطبہ کے دوران طول قیام سے تعب واقع ہو جاتا ہے۔ ایک جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کھجور کے سے سہارا لئے خطبہ دے رہے تھے کہ ایک انصاری شخص نے یہ دیکھ کر اپنے سے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہا اگر حضور یہ پسند فرمائیں

ف علامہ سمہودی نے اس پیمائش پر اشکال ظاہر کیا ہے۔ فرمایا کہ عمر فاروق کی توسیع میں معلوم ہو چکا کہ مسجد کا طول ایک سو چالیس ذراع تھا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ طول میں ۵۰ ذراع کا اضافہ فرمایا تو کل پیمائش جانب طول میں ایک سو نوے ذراع ہونا چاہیے۔ جس کو عربی میں مأۃ وتسعین ذراعا کہیں گے بظاہر تسعین کی جگہ ستین (۶۰) کا عدد لکھا گیا۔ اس وجہ سے اس روایت میں یہ پیمائش نقل کر دی گئی - ۱۲

کہ کسی ایسی چیز پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کریں۔ کہ جس پر راحت و سہولت ہو تو ایسی چیز تیار کر دوں۔ پھر آپ کا منشائے مبارک اس پر تشریف رکھنے کا ہو تو بہتر ہے ورنہ جو کچھ بھی آپ پسند فرمائیں۔" اس شخص کی یہ بات آپ تک پہنچ گئی تو آپ نے اس کو طلب فرمایا تو آپ نے اس کو اجازت دے دی۔ اس نے تین سیڑھیوں والا منبر بنایا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت معلوم ہوئی۔ جب منبر تیار ہو کر مسجد میں رکھا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لکڑی کے ستون کی بجائے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اس ستون سے گریہ و بکا کی آوازیں سنائی دیں۔ اور اس طرح گڑگڑانے لگا۔ جیسے کوئی ناقہ کرب و بے چینی میں گڑگڑاتی ہو۔ آپ نے جب اس کے گریہ و بکا کو سنا تو آپ اس کے قریب تشریف لائے۔ اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور تسلی دی۔ اس کے بعد دیکھا گیا کہ وہ اپنی آواز اس طرح ضبط کر رہا ہے جیسے کوئی روتا ہوا بچہ اپنی آواز روکنے کی کوشش کرتا ہو۔ اس کے بعد یہ ستون منبر مبارک کے نیچے دفن کر دیا گیا۔

منبر مبارک مدینہ منورہ سے متصل ایک جنگل غابہ کے درخت (اَثل (جھاؤ) کی لکڑیوں سے بنایا گیا۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑی ہوئی کھجور کی لکڑی کا سہارا لیکر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جو اسطوان مخلقہ یعنی اسطوانہ عائشہ کے بائیں جانب تھا۔ اور اسی ستون کے دائیں جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلی تھا۔ اس ستون اور قبلہ کے درمیان ایک ستون کا فصل تھا۔ اور اسی طرح منبر مبارک اور اسطوان عائشہ کے درمیان بھی ایک ستون کا فصل ہے۔

ابن ابی الزناد سے یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسری سیڑھی پر اپنے قدم مبارک رکھ کر بیٹھا کرتے تھے۔ یعنی اوپر والے تیسرے درجہ پر تشریف

فرما ہوتے تھے۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس درجہ (سیڑھی) پر بیٹھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے یعنی دوسری سیڑھی پر پھر جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو پہلی سیڑھی پر بیٹھتے اور پاؤں زمین پر رکھا کرتے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول رہا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے منبر مبارک پر نہایت عمدہ قسم کا مخملی غلاف چڑھایا۔ امیر معاویہ جب اپنے دور خلافت میں مدینہ منورہ آئے تو منبر مبارک کیلئے یہ حکم دیا کہ مدینہ منورہ سے منتقل کر کے شام بھیج دیا جائے۔ بیان کیا گیا کہ جب اس مقصد کے لئے منبر کو اپنی جگہ سے حرکت دی گئی تو ناگہاں ایک تیز و تند آندھی آئی جس سے تمام مدینہ میں اس قدر تاریکی پھیل گئی کہ ستارے نظر آنے لگے۔ زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے۔ اور سورج گہن ہونے لگا۔ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے۔ اس منظر کو دیکھ کر امیر معاویہ نے معذرت کی اور دوران خطبہ یہ کہا کہ میرا یہ مقصد نہ تھا کہ میں منبر مبارک اس جگہ سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دوں بلکہ ارادہ یہ تھا کہ شایان شان اصلاح و مرمت کرا دوں اور بلند کر دوں۔ اور خیال تھا کہ زمین سے متصل حصہ شاید بوسیدہ ہو گیا ہو یا اس لکڑی پر کیڑا لگ گیا ہو۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر کو اکھاڑنے کا ارادہ مروان بن حکم نے کیا تھا۔[۵] یہ واقعہ سنہ ۵۰ھ کا ہے۔ اس وقت اس میں مزید چھ درجوں کا اضافہ کر کے نو سیڑھیوں کا منبر کر دیا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۶۱ھ میں جب خلیفہ مہدی نے یہ ارادہ کیا کہ منبر مبارک کو پہلی حالت پر لوٹا دیا جائے تو امام مالک بن انس نے اس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر منبر مبارک کو اپنی جگہ سے ہٹایا گیا تو کوئی ہلاکت اور عذاب نازل ہو جائے۔

۵ — سہارن پور سے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر مبارک کی اونچائی ۲ ذراع تھی اور عرض ایک ذراع۔ اور پائے تقریباً ایک بالشت اور تین انگشت اور وہ بازو جس پر دوران خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک رکھتے تھے۔ اس کی اونچائی تقریباً ایک بالشت تین انگشت اور عرض ایک ذراع تھا۔ اور آپ کے دست مبارک رکھنے کی جگہ زمین سے پانچ بالشت سے کچھ زائد ہوتی تھی[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منبر مبارک کے چاروں طرف سنگ مرمر کا فرش ایک ذراع بلند چوکی سی بنا کر کیا تھا۔

علامہ زین المراغی نے یہ بیان کیا ہے کہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طول اس حصہ کا جو اضافہ کیا گیا چار ذراع تھا۔ اور نیچے کے چوکھٹ سے بلندی کے کنارہ تک ۹ ذراع اور ایک بالشت تھا۔ علامہ سمہودی نے اس پیمائش پر تامل ظاہر کرتے ہوئے پانچ ذراع ایک بالشت اور چار انگشت بیان کی ہے۔ گویا پونے چھ ذراع۔ اور ایک ذراع بلندی فرش کی تو سات ذراع کے قریب کل بلندی ہوئی۔ اور یہی صحیح ہے اور منبر مبارک پر ایک جالی دار دروازہ لگایا گیا۔ جو مقفل رہتا۔ اور صرف جمعہ کے روز اس کو کھولا جاتا۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں منبر مبارک میں جو اضافہ کیا گیا اس میں یہ صورت کی گئی کہ جو جگہ آنحضرت ؐ کے بیٹھنے کی تھی اس کو بلند کر دیا گیا۔ گویا اضافہ کے درجے منبر کے نچلے حصہ میں رکھے گئے اور اوپر کی سیڑھی آبنوس کی تختی سے محفوظ کر دی گئی امیر معاویہ کا اضافہ کئے ہوئے منبر بہترین ساخت کی ساتھ ابن النجار نے ۵۷۸ھ میں تیار کرایا۔ اور حرم نبوی میں پہلی مرتبہ آتش زدگی کے واقعہ میں منبر بھی جل گیا تھا۔ بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل منبر کا وہ حصہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے اس کو محفوظ رکھا اور جو نیچے کا حصہ اضافہ کیا گیا تھا وہ نذر آتش بنا

---

[1] وفاء الوفاء۔ ج ا صفحہ ۲۸۴ [2] وفاء الوفاء ج ا

الغرض ۶۵۴ھ[1] کے واقعہ احتراق کے بعد منبر مبارک کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اس کو ایک صندوق میں بند کرکے ستون حنانہ کے قریب دفن کردیا گیا۔ اور اس کی جگہ ایک منبر یمن کے بادشاہ ملک مظفر نے ۶۵۶ھ میں صندل کی لکڑی کا بنوا کر اسی جگہ نصب کرایا اور دس سال تک اس پر خطبہ دیا جاتا رہا۔

پھر اس کو ملک ظاہر رکن الدین بیبرس نے بدلا۔ علامہ مراغی نے بیان کیا کہ ملک ظاہر بیبرس ۶۶۶ھ سے ۷۹۷ھ تک باقی رہا جس پر خطبہ دیا جاتا تھا۔ گویا ایک سو تیس سال تک اس پر خطبہ دیا گیا۔ جب اس کی لکڑی کچھ بوسیدہ ہوگئی۔ اور اس پر کیڑا لگ گیا تو ظاہر برقوق سلطان مصر نے دوسرا منبر بدلا۔ جس پر ۲۳ یا ۲۴ سال تک خطبہ دیا گیا۔ گویا ۸۲۲ھ تک۔ لیکن بعض تاریخی نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ ۸۲۰ھ میں ملک مؤید نے نیا منبر تیار کرایا تھا۔ جو مسجد نبوی میں دوبارہ آگ لگ جانے یعنی ۸۸۶ھ میں جل گیا تھا۔ پھر ملک قائتبائی بادشاہ مصر نے ایک منبر تیار کرایا جو بعد میں مسجد قباء میں منتقل کردیا گیا۔ جبکہ عثمانی بادشاہوں میں سے سلطان مراد ثالث نے نہایت عالیشان کو قیمتی منبر سنگ مرمر کے منقش ٹکڑوں کا جو سونے کے تاروں سے جڑاؤ تھے تیار کرا کر حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور ہدیہ بھیجا۔ یہ منبر اپنی صنعت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔[3] ۹۹۸ھ ہجری میں یہ منبر مبارک پہلے منبر مبارک کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور آج تک یہی منبر برقرار ہے۔ اور یہ منبر بعینہ اسی جگہ ہے جہاں کہ اصل منبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نصب تھا۔

[1] سمہودی نے یہ واقعہ ۶۵۴ھ میں بیان کیا ہے اور بعض مورخین ۶۵۶ھ کہتے ہیں۔ صحیح ۶۵۴ھ ہے۔ واللہ اعلم۔ [2] یعنی آگ لگ جانے۔ ۱۲۔ [3] اس منبر مبارک کی حسن صنعت کو دیکھ کر بعض مؤرخین بے ساختہ کہنے لگے۔ اَنَّهٗ آيَةٌ مِنْ آيٰتِ اللّٰهِ۔ کہ یہ منبر تو بیشک اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ۱۲

غرض یہ منبر اس منبر مبارک کی نظروں کے سامنے ایک تصویر ہے جس کے بارہ میں سرورِ کائنات کا ارشاد مبارک ہے۔ مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ و منبری علی حوضی۔ کہ میرے حجرہ مبارکہ اور منبر شریف کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔ تو حوض کوثر کا منبر عالم دنیا میں حق تعالےٰ نے مسجد نبوی میں قائم فرما دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حرم نبوی کے توسیعی دور

مسجد نبوی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جو توسیع کی اور اس کی عمارت بلند و عالیشان منقش پتھروں سے بنائی۔ مسجد نبوی اسی حالت اور ان ہی حدود پر پہلی صدی کے اختتام تک برقرار رہی۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے دور امارت میں جبکہ عمر بن عبدالعزیز ان کے گورنر تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کی تجدید اور توسیع کا حکم دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں تینوں جانبوں سے اضافہ کیا۔ اور اس میں ازواج مطہرات کے حجرے بھی شامل کر دئے۔ ازواج مطہرات کے یہ حجرے ۸۸ھ تک باقی تھے۔ کچی اینٹوں کے بنے ہوئے اور ان کے اطراف کھجور کے پتوں اور شاخوں کے پردے لگائے ہوئے تھے۔ گویا وہی دیوار کے قائم مقام تھے۔ اور چھت بھی ایک چھپر تھی۔ یہ کل نو حجرے تھے تو یہ جگہ صاف کر کے عمدہ پتھروں کا فرش کر دیا گیا۔ اور چھت بھی نہایت مضبوط اور عمدہ بنائی گئی اور سنگ مرمر کے ستون قائم کئے گئے۔ اور حجرہ شریفہ پر عمارت بنائی۔ بیان کیا گیا کہ سلیمان بن عبدالملک نے حجرہ شریفہ پر عمارت بنانے کا حکم دیا تھا۔ اور روضہ مبارکہ کی چھت لکڑی کی تیار کی گئی۔ مسجد نبوی کی توسیع عمارت کا یہ

سلسلہ ۹۱ھ میں پورا ہوا۔ مسجد کے دروازہ پر اپنا نام لکھنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد ۱۶۲ھ میں خلیفہ عباسی مہدی نے شمالی جانب میں کچھ اضافہ کیا۔ اور مقصورہ یعنی محراب کی جگہ کی تجدید کی۔

پھر ۲۰۲ھ میں خلیفہ مامون نے تجدید کی۔

۵۷۶ھ میں سلطان ناصرالدین نے صحن مسجد میں ایک قبہ بنانے کا حکم دیا۔ جس میں ان تبرکات کو ودیعت کر دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ تھے۔ وہ تبرکات آپؐ کی چادر مبارک اور آپ کا ازار۔ اور ایک وہ عُبا مبارک جو طیلسانی تھا۔ اور اس کے کناروں پر کچھ ریشم کے دھاگوں سے سلائی کی ہوئی تھی جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے پاس خاص طور پر رکھتی تھیں اور جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو اس کا پانی نچوڑ کر پلا دیا جاتا۔ اور وہ اس سے نچوڑے ہوئے پانی کو پی کر شفایاب ہو جاتا تھا۔ پھر اس قبہ میں بعض دیگر تبرکات اہل بیت اور صحابہ کے بھی شامل کر دئے گئے

اس کے بعد ۶۵۵ھ م ۱۲۲۷ء میں خلیفہ مستعصم شاہ یمن مظفر یوسف ابوعمر اور علی بن معزآی بک نے شاہ مصر کی معیت و معاونت سے حجرہ شریفہ کی تعمیر کی۔ اور حجرہ مبارکہ کے اطراف کی بھی دیوار قبلہ اور مشرقی جانب اور باب جبریل کی جانب سے تعمیر کی۔

اس کے بعد ۶۸۵ھ م ۱۲۹۵ء نے ملک ظاہر نے (جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے) مسجد نبوی کی تعمیر کی تکمیل کا حکم دیا۔ یعنی جو حصے نا تمام رہ گئے تھے ان کی تکمیل اور جو حصے بوسیدہ ہو گئے تھے ان کی مرمت کا حکم دیا۔

اس دور کے بعد مختلف اوقات میں ملک ناصر محمد اور ملک اشرف قایتبا ی نے بھی بعض حصوں کی تجدید و مرمت کی۔

چند صدیوں کے گذرنے پر جب یہ عمارت بوسیدہ ہوگئی تو عثمانی بادشاہوں میں سلطان ثانی نے ۹۸۰ھ ہجری میں تجدید عمارت کا سلسلہ شروع کیا۔

اس کے بعد سلطان محمود ۱۲۳۳ھ میں گنبد خضرا کی بھی تجدید کی۔

۱۲۶۵ھ ہجری میں سلطان عبد المجید نے تجدید و تعمیر کا حکم دیا۔ اور نہایت فراخ حوصلگی اور بلند ہمتی کے ساتھ مسجد کی ایسی عالیشان اور مضبوط تعمیر کرائی کہ آج تک تقریباً ڈیڑھ سو سال گذرنے پر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعمیر ابھی تیار ہوئی ہے۔ حرمین شریفین کی جو خدمت ترکوں نے کی ہے۔ وہ تاریخ اسلام میں ایک عظیم اور یادگار کارنامہ ہے ان عمارات کو دیکھ کر ان کا ایمانی جذبہ معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر بلند تھا۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے قلوب میں کس درجہ سمائی ہوئی تھی۔

مسجد نبوی کی یہ عمارت آج تک اسی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے۔

جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ورفع درجاتھم فی علیین آمین یارب العالمین

حجرہ شریفہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس جگہ مرض الوفات میں بستر تھا۔ آپ اپنے جسد عنصری کے ساتھ اسی جگہ آرام فرما ہیں۔ وہی آپ کی قبر مبارک ہے۔ اسی جگہ کو مقصورۂ کبریٰ اور حجرہ شریفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کہ۔ مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ قُبِضَ ۔یعنی کوئی نبی ایسا نہیں ہے کہ اس کو اس جگہ دفن نہ کیا گیا ہو جس جگہ اس نبی کی روح قبض کی گئی۔ کے پیش نظر آپ کو بستر مبارک کی جگہ ہی دفن کیا گیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعد میں اس حجرہ کے دو حصے کر

ہوئے تھے۔ اور درمیان میں ایک دیوار قائم کر کے اس حصہ کو جدا کر دیا تھا جس میں قبر مبارک ہے اس درمیانی دیوار میں راستہ اور جنگلہ کی طرح ایک روشن دان بھی رکھا۔ تاکہ اس جگہ کی زیارت بھی کرتی رہا کریں۔ اور گاہ بگاہ وہاں جا کر کچھ دیر بیٹھا بھی کرتیں۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کے بائیں طرف قدرے نیچے کے حصہ میں دفن کر دیا گیا۔ اس طرح کہ صدیق اکبر کا سر آپ کے قدموں کی طرف تھا۔ اس وقت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حصہ میں جاتی رہیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ میں بلا تامل حجرہ مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتی تھی۔ اور کہتی تھی اس میں بس میرے زوج اور میرے باپ ہی تو ہیں۔ لیکن جب اسی حجرہ شریف میں عمر فاروق بھی دفن کئے گئے۔ تو اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی بھی میں اس حجرہ میں گئی خوب اچھی طرح چادروں میں لپیٹ کر اور پوری طرح پردہ کر کے جاتی تھی۔

یہ حجرہ شریف پہلے کسی احاطہ اور عمارت میں بند نہیں کیا گیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان قبور مبارکہ کے گرد ایک احاطہ قائم کیا۔ جو پانچ گوشوں پر مشتمل تھا۔ غالباً مربع اس وجہ سے نہیں کیا کہ بیت اللہ کے ساتھ تشبیہ نہ ہو جائے اور دروازہ شام یعنی مشرق کی جانب رکھا۔ اس کی بنیادیں نہایت گہری رکھی گئیں حجرہ شریفہ آج تک ان ہی بنیادوں اور خطوط پر قائم ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام جب آسمان سے دنیا میں نزول فرمانے کے بعد وفات فرمائیں گے تو اس میں دفن کئے جائیں گے۔

علامہ سمہودی نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے ایک روایت تخریج کی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میں ہر رات آخر حصہ میں گھر سے نکل کر مسجد نبوی میں حاضر ہوتا تھا اور پہلے معمول تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر سلام پیش کرتا

پھر اس کے بعد مصلی پر آتا۔ اور صبح کی نماز پڑھنے تک اسی جگہ بیٹھا رہتا۔ ایک رات جبکہ بارش برس رہی تھی۔ جب میں مغیرۃ بن شعبہ کے مکان کے قریب تھا۔ تو مجھے ایک ایسی عجیب خوشبو محسوس ہوئی۔ کہ زندگی میں کبھی میں نے ایسی خوشبو نہیں پائی تھی۔ میں حسب عادت میں مسجد میں داخل ہو کر جب حجرہ شریفہ کے سامنے پہنچا تو دیکھا کہ اسکی ایک دیوار منہدم ہو چکی ہے۔ میں نے فوراً وہاں حاضر ہو کر حضور پر سلام پڑھا۔ اور کچھ دیر میں وہاں ٹھہرا رہا۔ اور عبداللہ بن محمد نے ان قبور کی کیفیت بیان کی کہ کس طرح واقعہ ہیں (جس کی تفصیل آئندہ قارئین کرام کے سامنے آئے گی۔)

بیان کرتے ہیں کہ تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ میں نے دیکھا عمر بن عبدالعزیز آرہے ہیں جن کو اس امر کی اطلاع ہو گئی تھی۔ انہوں نے آکر فوراً اس جگہ کو قباطی چادر سے پردہ میں کر دیا۔ صبح کی نماز کے بعد وردان معمار کو بلا لیا۔ وہ اندر داخل ہوا۔ تو اس نے کہا مجھے کوئی دوسرا مددگار چاہیے۔ تو عمر بن عبدالعزیز نے اندر داخل ہونے کے لئے تیار ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ کہ یہ سعادت حاصل کریں۔ عمر بن عبدالعزیز نے سب کو روکا اور فرمایا۔ اے لوگو تم اپنے ہجوم سے رسول اللہ کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ اور مزاحم نامی شخص کو اندر جانے کی اجازت دی تاکہ وہ گری ہوئی مٹی وغیرہ صاف کر دے۔ مزاحم نے اندر جا کر صفائی کی اور قبر مبارک پر دیوار کے گرنے سے جو کچھ شگاف پڑ گیا تھا۔ اس کو اپنے ہاتھ سے درست کیا۔

بعض روایات سے یہ معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اصل حجرہ مبارکہ جس میں قبر شریف ہے کے چاروں طرف دیواروں سے احاطہ کر دیا۔ اور ایک جانب ایک کونہ نکال کر اسس کو پنج گوشہ کر دیا۔ جس کا فصل اصل حجرہ مبارکہ سے مشرقی جانب سے ندر ذراع اور مغربی سمت سے ایک ذراع۔ اور قبلہ کی جانب ایک

بالشت۔ اور اس کے بالمقابل شامی سمت میں خالی سمت چھوڑی۔ اور زاویہ کی شکل سے ایک کونہ پر دونوں دیواروں کو ملا دیا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد بعض مشاہدہ کرنے والوں کا یہ بیان سمہودی نے نقل کیا ہے کہ اس احاطہ کی کوئی چھت نہیں تھی۔ اصل حجرہ مبارکہ جس میں قبور ہیں۔ اس کی چھت میں ایک روشن دان ایسا رکھا تھا کہ قبر مبارک اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے اور یہ سوراخ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ سے تھا۔ بارش نہ ہونے کی جب شکایت ہوتی تو اس کو کھول دیا جاتا اور پھر بارش برس جاتی تھی۔ امام دارمی[۱] نے ابو الجوزاء سے ایک روایت نقل کی ہے۔

قَالَ قُحِطَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَحْطًا شَدِيْدًا فَشَكَوْا اِلٰى عَائِشَةَ رض فَقَالَتْ اُنْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوْا مِنْهُ كُوًى اِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ فَفَعَلُوْا فَمُطِرُوْا مَطَرًا حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْاِبِلُ حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ

کہ ایک مرتبہ اہل مدینہ بہت شدید قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عائشہ کی خدمت میں اس تکلیف کی شکایت کرتے ہوئے (تاکہ وہ دعا فرمائیں) تو فرمانے لگیں۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف جاؤ اور روشن دان کھولدو اس طرح کہ آپ کی قبر اور آسمان کے درمیان کوئی حائل نہ رہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کیا کہ خوب بارش برسی حتیٰ کہ سبزہ اور شادابی خوب ہو گئی۔ اور اونٹ بھی فربہ ہو گئے۔ اسقدر کہ چربی اور موٹاپے کے باعث قریب تھا کہ ان کی کھالیں پھٹ پڑیں اسی وجہ سے اس سال کا نام عام الفتق یعنی کھالوں کے پھٹ جانے کا سال رکھا گیا

حافظ ابن تیمیہ[۲] رحمۃ اللہ اس حدیث کی مراد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

---

[۱] بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح۔ [۲] اقتضاء الصراط المستقیم۔

کہ" اس کی وجہ یہ ہے کہ بارش ایک رحمت ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر (ضرور) نازل ہو گی۔ (کیونکہ آپ رحمۃ العالمین ہیں۔) صرف اسی عمل سے بارش ہو گئی۔ حالانکہ وہاں کوئی تضرع وزاری کے ساتھ دعا نہیں کی گئی تھی یعنی صرف قبر مبارک کی برکت ہی سے اس رحمت خداوندی کا نزول ہو جاتا تھا۔ اسی لئے جب عہدِ تابعین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ کی تعمیر ہوئی (آپؐ پر مرے ماں باپ قربان ہوں) تو اوپر کی جانب روشن دان کھلا ہوا رہنے دیا گیا۔ جو ابھی تک اسی طرح کھلا ہوا ہے۔"

علامہ سمہودی نے امام زین المراغی سے یہ نقل کیا ہے کہ اس روشن دان کا قحط کے وقت کھولنا اہل مدینہ کا طریقہ بعد میں بھی رہا۔ اب اس کے قائم مقام قبۂ زرقا یعنی گنبد خضراء کے نیچے کے حصہ میں جانب قبلہ شمعدان کی طرح کا ایک نشان ہے۔ جو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے محاذات میں ہے اگرچہ اب درمیان میں چھت حائل ہے لیکن قبر شریف کے حجرہ کی محاذات ہی اس برکت کا موجب بنتی ہے۔

- حجرہ شریفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں رفیق ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبور مبارکہ کی ہیئت کس طرح واقع ہے؟ اس بارہ میں محدثین اور محققین کے بہت سے اقوال منقول ہیں۔

جس ہیئت کو محدثین نے ترجیح دی اور از روئے سند بہتر سمجھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے مقابل قریب ہے۔ اور عمر فاروق رضؓ کا سر ابوبکر رضؓ کے شانوں کی محاذات میں ہے۔ اسی روایت میں بعض راوی یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر رضؓ کے قدموں کے قریب ہے۔

علامہ سمہودی رحؒ نے باسناد ابن زبالہ عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اسی بارش والی رات کے قصہ میں جس میں کہ حجرہ مبارکہ کی دیوار گر گئی تھی یہ بیان کیا کہ میں نے ان تینوں قبور شریف کو دیکھا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے اور ابوبکر کی قبر آپ کے پاؤں کے پاس ہے۔ اور عمر فاروق رضؓ کی قبر ابوبکر رضؓ کے پاؤں کے پاس ہے۔ ابن عساکر نے اس کا نقشہ حسب ذیل ظاہر کیا ہے۔

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابوبکر رضی اللہ عنہ

عمر رضی اللہ عنہ

قبور مبارکہ کا احاطہ اور حجرہ شریفہ کا وہ دوسرا حصہ جو حضرت عائشہ رضؓ نے علیحدہ کر لیا تھا۔ مشرقی جانب کے خالی حصہ کے ساتھ اس طرح ہے۔ علامہ سمہودی نے ابن النجار کی روایت سے جو خاکہ پیش کیا وہ حسب ذیل ہے:

(ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۵ پر)

① احاطہ اصل حجرہ مبارکہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں رفیقوں کے ساتھ آرام فرما ہیں۔

② وہ احاطہ جو قبور مبارکہ کے اطراف عمر بن عبدالعزیز رض نے بنایا۔

③ جالی مبارک جو احاطہ قبور کے چاروں طرف ہے۔

④ ازواج مطہرات کے دوسرے حجروں کی جگہ جو ولید بن عبدالملک نے توسیع حرم میں داخل مسجد کی گئی

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حجرہ مبارکہ کے گرد جو احاطہ بنایا جس کا نقشہ خطوط کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلے اس کی بلندی ۱۳ ذراع سے کچھ زائد تھی۔ مشرقی دیوار زاویہ تک ۱۲ ½ ذراع اور دونوں زاویوں والی دیوار ۱۲ ذراع مقابل والی مغربی دیوار بھی ۱۲ ذراع۔ اسی طرح مغربی سمت والی دیوار بھی ۱۲ ذراع۔ اور سمت قبلہ دیوار ۷ ذراع۔ سمت قبلہ اصل حجرہ مبارکہ کی دیوار ۱۵ ذراع۔ دونوں بازو مشرقی اور مغربی سمت کے معہ زاویوں والی دیوار ۲۰ ذراع۔

عمر بن عبدالعزیز نے اس احاطہ کو اوپر سے ایک لکڑی کے جال سے بند کیا۔ صندل اور آبنوس کی لکڑی کی جالی اس احاطہ پر قائم کر دی گئی تھی یہ احاطہ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا نہایت گہری بنیادوں پر بنوایا گیا جس میں مضبوط قسم کے پتھر لگائے گئے۔ اور یہ احاطہ اصل حجرہ مبارکہ کے لئے محافظ رہا۔

۵۴۸ھ میں امیر قاسم ابن مھنی الحسینی کے زمانہ میں حجرہ مبارکہ سے اچانک ایک آواز سنائی دی۔ جیسے کسی چیز کے گرنے اور منہدم ہونے کی آواز ہو۔ یہ آواز اصل حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار کے گرنے کی تھی۔ صورت حال معلوم ہونے پر یہ طے کیا گیا کہ کسی کو احاطہ مبارکہ میں اتارا جائے۔ اس مقصد کیلئے بہتر سے بہتر ہستی متعین کرنے کے لئے غور و فکر کیا گیا۔ عارفین و صوفیا کے شیخ المشائخ عمر النسائی کے سوا کسی پر نگاہ انتخاب تحقیق جمی۔ یہ شیخ اصل موصل کے تھے۔ لیکن عرصۂ دراز سے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے۔ چالیس سال کے عرصہ سے مسلسل قائم اللیل اور صائم النہار رہتے تھے۔ بول و براز کا تقاضہ بھی ان کو بہت ہی کم پیش آتا تھا۔ لوگوں کے کہنے پر فرمایا۔ اچھا میں اس کے لئے تیاری کروں گا۔ کئی وقت کھانا پینا بند رکھا اور ذکر و تسبیح میں مصروف رہے۔ روضۂ اقدس کے سامنے حاضر ہو کر دعا کی اور اندر اترنے کی

حضور اقدس سے اجازت طلب کی۔ اس کے بعد ہمت کر کے تیار ہوئے لوگوں نے رسیوں کے ذریعہ ان کو قبور مبارکہ والے احاطہ میں اتارا۔ جو حجرہ شریف کے چاروں طرف عمر بن عبدالعزیز نے بنایا تھا۔ یہ شیخ اس احاطہ میں اترنے کے بعد اصل حجرہ مبارکہ کی جانب مڑے۔ اور اس حصہ کی طرف پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہیں۔ دیکھا کہ مشرقی جانب والی دیوار کا ایک حصہ منہدم ہونے کے ساتھ چھت کا کچھ حصہ قبور مبارکہ پر گرا ہوا ہے کناروں کی مٹی صاف کی اور قبور مبارکہ پر پڑی ہوئی مٹی کو اپنی ریش مبارک سے صاف کیا (سبحان اللہ کیسا اچھا نصیب پایا اور سعادت کا یہ مقام کہ اس پر کائنات فخر کرے۔) قبر مبارک پر گرا ہوا مٹی کا ایک ایک ریزہ ریش مبارک سے دیر تک صاف کرتے رہے۔ اور شیخ کے ساتھ روشن شمع تھی۔ اور اتنے طویل وقت میں شیخ کو جو بیماری اور عذر تھا۔ اس کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا۔

علامہ سمہودی نے اصل حجرہ مبارکہ کی دیواروں کو پتھروں سے مضبوط کرنے کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ خلیفہ متوکل نے اپنے دور خلافت میں اسحاق بن سلمہ کو جو حرمین شریفین کی عمارت کے نگران تھے اس بات پر مامور کیا کہ حجرہ مبارکہ کی دیواروں کو پتھروں سے مضبوط کر دیں۔ گویا دیوار کے ساتھ پتھروں کی دوسری دیوار قائم کر دی جائے۔

مورخ ابن النجار نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ متوکل ۲۳۲ھ میں مسند امارت پر فائز ہوئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے حجرہ مبارکہ کی مٹی بعض اہل بیت تبرکاً لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ حسین بن عبداللہ بن عبداللہ بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ جب کبھی بیمار ہوتے تو اس احاطہ کی دیوار یا اندر کے کسی حصہ سے کچھ مٹی لیکر بدن پر مل لیتے۔ فوراً ہی وہ تکلیف دور

ہو جاتی۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ پتھروں کی دیوار سے اس کو بند نہ کر دیا گیا۔

اس کے بعد پھر ۵۴۸ھ میں جمال الدین وزیر نے اس کی تجدید و مرمت کی۔ اور یہ تجدید و مرمت بظاہر اس دھماکہ والے واقعہ کے پیش آنے کے بعد ہے جس کا ذکر کیا گیا۔

حجرہ مبارکہ کا احاطہ کرنے والا مقصورہ

حجرہ مبارکہ کے باہر والے حصہ پر احاطہ کرنے والا مقصورہ یعنی جالی مبارک جو سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہے اور اسی میں حضرت فاطمہ رضؓ کے حجرہ کی جگہ بھی شامل ہے۔ سب سے پہلے یہ مقصورہ سلطان رکن الدین ظاہر نے بنوایا تھا جب سلطان رکن الدین ۶۶۷ھ میں سفر حج کے لئے آئے اور مدینہ منورہ میں

ے اس جگہ کی برکت اور تاثیر تو کیا بیان کی جائے۔ اس ناچیز نے روضہ اقدس کے باہر قریب کی جو تاثیر دیکھی ہے وہ بھی خیر و برکت میں بہت اعلیٰ مقام رکھتی ہے ۱۹۶۵ء کے سفر حج میں جس رات میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ شدید بخار میں مبتلا ہو گیا۔ صبح ڈاکٹر کو دکھانے کا قصد کیا۔ لیکن بجائے ڈاکٹر کو دکھانے کے فوراً روضہ اطہر پر حاضر ہوا۔ اور قدم مبارک کی طرف تھوڑی دیر بیٹھا ہی تھا کہ بخار کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا۔ اور جتنے روز قیام مدینہ رہا بحمداللہ کبھی سر میں درد بھی نہیں ہوا۔

اس کے بعد بھی جب کبھی مدینہ منورہ حاضری ہوئی اور کسی بھی وقت طبیعت پر ذرا سے اضمحلال محسوس ہوا۔ روضہ اقدس پر حاضری کے کچھ لمحے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف کا کوئی اثر ہی نہیں۔

حاضری ہوئی تو ارادہ کیا کہ حجرہ مبارکہ کے چاروں جانب ایک احاطہ جالی دار قائم کر دیا جائے۔ تو حجرہ مبارکہ کی ہاتھ سے پیمائش کر کے پھر چاروں طرف کی جگہ رسیوں سے پیمائش کی اور وہ رسیاں اپنے ساتھ لے گئے۔ اور ۶۶۸ھ میں لکڑی کی جالی کا احاطہ تیار کرا کر روانہ کیا۔ اور اس میں تین دروازے رکھے۔ شرقی اور غربی۔ اور ایک قبلہ کی سمت۔ اور شام کی سمت سے مقام تہجد تک جگہ کا اس میں اضافہ کر دیا۔ پھر اس احاطہ میں شمالی جانب ایک اور دروازہ کا اضافہ کیا گیا۔ اس مقصورہ کی ایک چھت بھی تھا جسکو لکڑی کی پٹیوں پر عمدہ قسم کا مخمل چڑھا کر بنایا گیا تھا۔ یہ چھت اس وقت باقی رہی جو مسجد نبوی میں دوسری مرتبہ آگ لگ جانے کا واقعہ پیش آیا۔

علامہ زین الدین مراغی نے بیان کیا ہے۔ سلطان رکن الدین ظاہر نے حجرہ مبارکہ کا یہ جنگلہ تقریباً دس گیارہ فٹ بلند رکھا تھا۔ ۶۹۴ھ میں ملک عادل زین الدین نے اس جنگلہ کو اور بلند کر کے مسجد کی چھت تک پہنچا دیا۔

مرور زمانہ اور بالخصوص اس وجہ سے کہ گذشتہ زمانہ میں مسجد نبوی میں جو آگ لگ جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ مسجد کی چھت میں کچھ شگاف پڑ گئے تھے۔ اسی کے ساتھ حجرہ مبارکہ کا پنجگوشہ احاطہ بھی بعض جگہوں سے مخدوش ہو گیا تھا۔ اور ایک ستون کے نیچے سے کوئی پتھر ٹوٹ جانے کی وجہ کچھ خلا بھی ہو گیا۔ ۸۷۹ھ ہجری میں سلطان اشرف نے ارادہ کیا کہ اس تعمیری کمزوری کو اصلاح و مرمت کے ذریعہ دور کر دیا جائے۔ اور اگر ضرورت ہو تو تجدید بھی کر دی جائے۔ شرف الدین انصاری کو یہ خدمت

ھ وفاء الوفاء السمہودی۔ تاریخ الحرمین۔

سونپی گئی۔ شرف الدین انصاری آلات تعمیر مہیا کرنے کی فکر میں لگ گئے۔
اس مرحلہ کی تکمیل ہی کی تھی۔ صفر ۸۸۱ھ میں معمولی سی بیماری سے وفات فرما
گئے۔ تو تعمیری ذمہ داریاں شیخ شمس الزمن کو حوالہ کردی گئیں۔ مسجد کی چھت
کی متعدد جگہوں سے مرمت سے فراغت کے بعد حجرہ مبارکہ کے احاطہ کے ستون
اور دیوار میں پڑے ہوئے شگاف کی درستگی کی فکر ہوئی اور اکابر اہل مدینہ
اس پر غور کرتے رہے کہ اس سلسلہ کو کس طرح شروع کیا جائے اور
کیا صورت ایسی اختیار کی جائے کہ نہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ
میں کوئی بے ادبی واقع ہو۔ اور نہ ہی تعمیری مرمت میں توڑ پھوڑ کی آوازوں
سے حضور کو ایذا پہنچے

کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو قریب والے حجروں کی دیوار میں اگر
کوئی کیل وغیرہ بھی ٹھونکتا تو فوراً اس کو روکا کرتیں۔ اور فرمایا کرتیں کہ رسول
اللہ کو ایذا نہ پہنچاؤ۔

مسلسل مجلسوں اور مذاکرات اور طویل مدت تک غور وفکر کے بعد یہ طے
ہوا کہ ہمت کرکے اس کام پر قدم اٹھایا جائے۔ ۱۴ شعبان کو تمام مشائخ
اور اکابر مدینہ منورہ نے روضۂ اقدس کے قریب بیٹھ کر اس کو طے کیا۔ فرماتے
ہیں کہ اس مجلس مشاورت میں جس وقت مجھ کو طلب کیا گیا۔ میں اپنے میں
ہمت نہیں پاتا تھا کہ حاضر ہوں۔ میں نے وضو کیا۔ اور صلوٰۃ استخارہ پڑھی اور
اپنے رب سے دعا مانگی۔ کہ اے پروردگار جو بات تیرے علم میں خیر ہو اس
کا القا فرما۔ میں جماعت میں حاضر ہوا۔ سب نے یہ کام مرے سپرد کیا۔ میں نے
جب احاطہ کا مشاہدہ کیا ایک ایسی ہیبت مجھ پر طاری ہوئی اس کا بیان
ممکن نہیں۔ اور اس احاطہ کے غلاف کو جب ہٹا کر دیکھا کہ اس عمارت کے ایک

ایک ذرہ سے انس و محبت کے وہ جذبات محسوس ہو رہے تھے۔ کہ ان کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ میں نے احاطہ مبارکہ پر غور کر کے یہ سمجھا کہ باہر کی دیوار کا شگاف کا سبب یہ ہے کہ اندر والی دیوار کا جھکاؤ اس دیوار پر ہے۔ اور اس کے بوجھ سے یہ شگاف پڑا ہے۔ اور غالب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں جو آگ لگ جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اور اس میں حجرہ مبارکہ کی دیواریں متاثر ہوئیں۔ تو اس زمانہ کے لوگوں نے اندر والی دیوار کے نیچے کے حصہ میں خلا ہو جانے پر لکڑی کے تختے اور ٹکڑے داخل کر دئے تھے۔ اب ان کے گل جانے سے دیوار پھر جھک گئی۔ میں نے ہر چند غور کرنے پر یہی مناسب سمجھا تھا کہ ان دیواروں کو اسی حالت پر رکھتے ہوئے ان کی مرمت کر دی جائے اور درمیانی خلا کو مضبوط بھراؤ سے پُر کر دیا جائے اور اس رائے میں مجھے ابن عباسؓ کا وہ قول یاد آیا۔ جو انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے سامنے کہا تھا کہ بیت اللہ کی از سر نو تعمیر کرنے کے بجائے کعبۃ اللہ کو انہی پتھروں پر برقرار رکھو جن پر خدا نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور صحابہ ان پتھروں پر ایمان لائے۔ لیکن متولی عمارت کی رائے اور آپنے ایک خواب کی بناء پر بھی ہوئی کہ اس شگاف پڑی ہوئی دیوار کو ہٹا کر نئی دیوار بنائی جائے۔

چنانچہ ۱۵ شعبان ۱۸۸۱ھ اس شکستہ دیوار کو جو مشرق کی جانب واقع تھی جس کا ایک حصہ منہدم ہو چکا تھا صاف کرنے کے لئے اکابر مدینہ جمع ہوئے تاکہ سب اکابر اس بقعہ مبارکہ کے انوار و برکات سے مستفیض ہو سکیں۔ متولی عمارت نے مدینہ منورہ کے سب سے زائد بزرگ ہستی عارف باللہ شیخ سعید شہاب الدین الابشیطی قدس اللہ روحہ سے تشریف لانے کے لئے درخواست کی۔ شیخ دیوار احاطہ کے باہر کھڑے رہے۔ اندر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ سورۂ فاتحہ تلاوت فرمانے کے بعد حاضرین سے یہ فرما کر چلے گئے۔ لَيُطْفِو اعلیٰ

مبرکتہ اللہ ۔ اے لوگو! صاف کرو ۔ اس جگہ کو اللہ کی برکت کے ساتھ" باہر والی دیوار صاف کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ پہلے زمانہ میں حجرہ مبارکہ کے اوپر مسجد کی چھت پر بجائے قبہ کے جو ایک احاطہ بنا ہوا تھا وہ شکستہ ہو کر اس کا کچھ حصہ حجرہ مبارکہ میں گرا اور اس سے واقع ہونے والا شگاف وقتی طور پر پر کر دیا تھا کیونکہ ان حضرات نے پھاؤڑے وغیرہ کے استعمال کی جرأت نہ کی اور کھدائی کے بغیر اس کی مرمت ممکن نہ تھی ۔ تو وقتی طور پر کی ہوئی مرمت اور بھراؤ اس عرصہ میں کمزور پڑ گیا اور اس وجہ سے اندر والی دیوار باہر کی دیوار پر مشرقی سمت کے ایک گوشہ سے گر پڑی ۔ تو ضروری معلوم ہوا کہ اندر والے حجرہ مبارکہ کی پوری دیوار شامی جانب کی ہٹا کر دوبارہ نئی دیوار تعمیر کی جائے اور اسی طرح باہر والے احاطہ کی دیوار بھی از سرِ نو بنائی جائے ۔

اس خدمت میں شریک ہونے والے تمام اکابر اور مشائخ مدینہ جب باہر کی دیوار صاف کر کے فارغ ہوئے تو حجرہ شریفہ کے شامی جانب سے ٹوٹے ہوئے حصہ کو ہٹانا شروع کیا ۔ میں اپنے شوق اور اس ولولے کا اظہار نہیں کر سکتا ۔ جو حضور کے حجرہ مبارکہ کے اندر کے حصہ کی زیارت کو مجھ کو لگا ہوا تھا ۵ ۱۱ شعبان کو نوبت اس مرحلہ پر پہنچی کہ یہ مشتاق آنکھیں حجرہ مبارکہ کے اندرونی حصہ کا دیدار کر سکیں ۔ اور قبر مبارک کی زیارت نصیب ہو ۔ متولی عمارت نے مرے پاس پیغام بھیجا کہ حجرہ مبارکہ کی زیارت کر لوں ۔ میں والہانہ انداز سے بے قراری کے عالم میں دوڑتا ہوا پہنچا ۔ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا رہا تھا ۔ کہ اے اللہ تو مجھ کو اس بارگاہ کے شایانِ شان ادب کی توفیق عطا فرما ۔ میں اسی گرد و غبار کو بے چینی اور بیقراری کے ساتھ مشتاق نگاہوں سے دیکھنے کے لئے چلا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے قریب تھا ۔ اور مری کیفیت یہ تھی ۔

وَلَوْ قِيلَ لِلْمَجْنُونِ أَرْضٌ أَصَابَهَا ‌ ‌ ‌ غُبَارُ ثَرَى لَيْلَى لَجَدَّ وَأَسْرَعَا
لَعَلَّ يَرَى شَيْئًا لَهُ نِسْبَةٌ بِهَا ‌ ‌ ‌ يُعَلِّلُ قَلْبًا كَادَ أَنْ يَتَصَدَّعَا

اور میں نے اصل حجرہ مبارکہ کی متبرک زمین کو دیکھنے کی جرأت کی کیونکہ مجھے یہ یاد آیا کہ بعض حضرات تابعین نے حضرت عائشہ رضؓ سے درخواست کی تھی کہ حجرہ مبارکہ کھول کر زیارت کرادی جائے۔ اس واقعہ کے یاد آنے نے مری ہمت مضبوط کی اور میں نے نگاہ شوق اس حصہ پر ڈالنے کی جرأت کی جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف ہے . . . . اگرچہ مرا حال تو یہ تھا اور زبان حال یہ کہہ رہی تھی ـــ

عَصَيْتُ فَقُلْ لِي كَيْفَ أَلْقَى مُحَمَّدًا ‌ ‌ ‌ وَوَجْهِي بِأَثْوَابِ الْمَعَاصِي مُبَرْقَعٌ

کہ میں نے بہت سی نافرمانیاں کی ہیں تو اے بتانے والے مجھے بتا کہ میں کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں حالانکہ میرا چہرہ تو گناہوں کے پردے میں لپٹا ہوا ہے۔

لیکن یہ سوچ کر . . . .

عَسَى اللّٰهُ مِنْ أَجْلِ الْحَبِيبِ وَقُرْبِهِ ‌ ‌ ‌ يُدَارِكُنِي بِالْعَفْوِ وَالْعَفْوُ أَوْسَعُ

کہ شاید اللہ تعالےٰ حبیب اور حبیب کے قرب کی بدولت مرے گناہوں کو تدارک معافی اور درگذر سے فرماوے۔ اور اللہ کا عفو و درگذر تو بہت وسیع ہے“ ہمت کی اور وہ انوار و برکات دیکھے کہ قلب ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ وہاں ایک ایسی خوشبو تھی کہ میں نے زندگی بھر کبھی ایسی بہترین خوشبو اور مہک نہیں پائی

ؔ اگر مجنوں کو یہ کہا جائے کہ یہ زمین وہ ہے جس پر لیلی کے گذرنے کا کوئی گرد و غبار پڑا ہے۔ کہ وہ اس کی طرف دوڑے گا۔ اور کوشش کرے گا۔ کہ شاید کسی ایسی چیز کو دیکھ پائے جسکو لیلی سے کچھ نسبت ہو کہ وہ اسی چیز سے اپنے اس بے قرار دل کو تسلی دے لے جو عشق کی تڑپ میں قریب ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

تھی۔

میں خوف وحیا کے ملے جلے جذبات وکیفیات کے ساتھ مواجہ شریف کے سامنے حاضر ہوا۔ اور اشرف الانبیاء اور ان کے دونوں رفیقوں کو سلام کیا۔ تحیۃ صلوٰۃ وسلام کے بعد جو کچھ دعاؤں کی توفیق ہوئی وہ دعائیں کیں اور آپ کی شفاعت کے لئے درخواست کی۔ پھر جب کہ میں آنکھوں کو اس مقدس جگہ کے انوار سے پر کر چکا تو میں وہاں کی مٹی اور زمین کی سطح پر نظر ڈالی اور وہاں کی خاک مبارک کے کچھ ریزے لئے۔

یہ دیکھا کہ جگہ جگہ سے یہ دیوار شکستہ ہوگئی ہے اور اس میں شگاف بھی پڑ گئے۔ ستائیسویں شعبان کو اس دیوار کی تعمیر شروع کی گئی جو زاویہ کی شکل میں دونوں طرف سے ملتی ہے۔ اور اس طرح بنایا گیا کہ درمیان کا جو فصل تھا یعنی اصل حجرہ اور احاطہ والی دیوار میں دو ذراع سے کچھ زائد جو فصل تھا وہ بھر دیا گیا۔ اور دونوں کو ملا کر پتھروں کی ایک دیوار کر دی گئی۔ اور اس طرح مغربی دیوار سے اس کو ملا دیا جس کی موٹائی تقریباً ۵ فٹ سے کچھ زائد ہو گی۔ پھر اسی طرح مشرقی جانب کی دیوار کی بھی تعمیر کی گئی۔ اور اخیر میں قبلہ والی دیوار بھی بنائی۔ اور احاطہ مبارکہ کا باہر والا حصہ بھی بڑے مضبوط پتھروں سے تعمیر کیا گیا۔ اس طرح حجرہ مبارکہ کا یہ تعمیری سلسلہ اسی سال ۸۸۱ھ کے جمعرات کے روز ۔ ۷ شوال کو پورا ہوا۔ اب ابھی عمارت پر حجرہ شریفہ کی عمارت قائم وبرقرار رہنے کہ اصل حجرہ اور احاطہ کی دیوار کا درمیانی خلا پر کر کے ۵۔ فٹ موٹائی کی ایک ہی دیوار ہو گئی۔

اس دور کے بعد سلطان خادم الحرمین الشریفین ملک قائیتبائی نے روضۂ اقدس کے گرد احاطہ کر کے نہایت عمدہ قسم کے پیتل کی جالی تیار کرائی۔ اور اس کو پہلی جالی کی جگہ نصب کرایا گیا۔ جس کے چاروں کناروں پر نہایت عمدہ سنگ مرمر کے

ستون ہیں۔ یہ جالی زمین کی سطح کے مضبوط پتھروں کے درمیان گڑی ہوئی ہے۔ اور
مسجد کی چھت کے ساتھ اس کو جوڑ دیا گیا ہے۔ اور پھر جالی مبارک کے اوپر کے کناروں
کو قبۂ خضراء کی عمارت میں اس طرح ملا دیا گیا کہ قبۂ خضراء کے قواعدؔ اور بنیادی لائن
اس کو جکڑے ہوئے ہے۔

روضۃ الجنۃ

مقصورہ شریفہ کے دائیں جانب سمت مغرب میں منبر مبارک سے مقصورہ شریفہ
کی جالی کی حد تک کی جگہ روضۃ الجنۃ ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف وارد ہے۔ مَا بَیْنَ
بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان
جنت کے باغیچوں میں ایک باغیچہ ہے۔ اصل روضۃ الجنۃ کی حد تو حجرہ مبارکہ کی دیوار
تک تھی۔ لیکن اس کے دائیں طرف کا حصہ مقصورہ شریفہ اور جالی مبارک میں چونکہ بند
ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے اب اسی حد تک سمجھا جائیگا۔

یہ حصہ جو جالی اور مقصورہ شریفہ میں گھر گیا تقریباً پانچ ذراع ہے۔ سمت قبلہ
بجانب جنوب پیتل کے جنگلہ تک اس کی حد ہے۔ آگے کا حصہ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی
اللہ عنہما کا توسیع کردہ ہے۔ روضۃ الجنۃ کا طول ۲۲½ گز ہے۔ اور عرض ۱۶ گز۔

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیمائش

ترکی سلاطین میں سے صاحب سعادت و فضیلت بادشاہ سلطان عبدالمجید
خان نے حرم نبوی کی جو تعمیر کی اس تعمیری لحاظ سے حرم شریف کا طول و عرض
حسب ذیل ہے:۔

شمال سے جنوب تک = ۱۲۶ میٹر ۲/۳ بالشت

ے یعنی ہاتھ پائے

مشرق سے مغرب تک = ½۸۶ میٹر ۔ (یعنی قبلہ کی سمت سے)

اور باب شامی سے = ۶۶ میٹر

مسجد نبوی کے دو حصے ہیں ۔ ایک مسقف ۔ اور دوسرا حصہ صحن

مسقف حصہ کی ابتدا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی قبلہ کی دیوار سے صحن تک اور شمالاً و جنوباً باب الرحمت سے باب النساء تک ۔

یہ سب حصہ پتھر کے ستونوں جن پر سونے کے نقش ہیں محرابوں کی صورت میں قائم ہے ۔ مسقف حصہ کی تمام محرابوں بیسے ہوئے گنبدوں کے اندرونی حصہ کے دائرہ میں نہایت پاکیزہ خط کے ساتھ قرآن کریم لکھا ہوا ہے ۔ جو باب النساء والی جانب کے گنبدوں پر پورا ہوا ..... قبلہ والی دیوار پر سورۂ حجرات، سورۃ فتح اور سورہ احزاب ایسے دیدہ زیب قلم سے پیتل کے لفظوں میں لکھی ہوئی ہیں ۔ دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل کو سکون و فرحت حاصل ہوتی ہے ۔ مجموعی طور پر حرم شریف کا منظر سید الکونین اور شہنشاہِ ثقلین کی عظمت و برتری کی پوری پوری ترجمانی کرتا ہے ۔ بس یہ شان دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے ۔ اہل ایمان کا دل کسی طرح ان در و دیوار کے دیدار سے سیر نہیں ہوتا ۔ ان کا ایمانی شوق اور جذبۂ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہی تقاضہ کرتا ہے ۔ اُقبّلِ ذاالجدارَ و ذاالجدارا (میں کبھی اس دیوار کو چوم رہا ہوں اور کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں ۔)

قبۂ نور یعنی روضۂ اقدس کا گنبد خضرا[ء]

مسجد نبوی میں واقعہ احتراق سے پہلے مقصورہ مبارکہ پر گنبد نہیں تھا ۔ بلکہ حرم

ء اردو میں خضراء کا لفظ گنبد کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے ۔ اور گنبد قبہ کے معنی میں ہے اس لحاظ سے یہ استعمال از روئے لغت درست سمجھ لیا جائے ۔

شریف کی چھت پر مقصورہ مبارکہ کی محاذات میں ایک احاطہ (حظیرہ) بنادیا گیا جس کی بلندی صرف نصف قامت کے بقدر تھی۔ اور یہ محض علامت کے طور پر تھا۔ کہ باقی سطح مسجد سے اس کا امتیاز رہے۔ اور کوئی شخص کسی ضرورت سے اگر حرم شریف کی چھت پر چڑھے تو روضۂ مبارک کے اوپر نہ آجائے۔ مورخ ابن النجار نے بیان کیا ہے کہ یہ حظیرہ ۶۷۸ھ تک اسی طرح رہا۔ اس زمانہ میں ملک منصور صالحی نے قبہ مبارکہ کی ہیئت میں اس حظیرہ کو تبدیل کیا۔ گول ستون بنا کر ان کو لکڑی کے تختوں سے بند کیا گیا۔ اور نیچے کے حصہ میں کچھ طاق رکھے جن سے مسجد کی چھت نظر آتی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مضبوط پتھروں سے اس کی تعمیر کی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیچے سے پتھروں کی تعمیر کے بعد بلندی کا حصہ تختوں سے مکمل کیا گیا۔ جس زمانہ میں دوبارہ مسجد نبوی میں احتراق کا واقعہ پیش آیا۔ اور قبۂ مبارکہ بھی اس سے متاثر ہوا تو طے یہ پایا کہ مسجد نبوی کے ستونوں پر گنبد مبارک کی تعمیر کی جائے۔ اور صرف پتھر اور گچ ہی کا استعمال ہو۔ اب یہ قبہ خضراء اس حصۂ تعمیر کے اوپر ہے جو عمر بن عبدالعزیز نے حجرۂ مبارکہ کی کی تھی۔

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستون

حرم شریف کے ستون بھی بارگاہ نبوت کی عظمت و ہیبت میں ایک نمایاں اضافہ کرنے والی نوعیت اختیار کئے ہوئے۔ ان ستونوں پر جو انوار و برکات برستے ہیں وہ اہل ایمان کی نظروں سے مخفی نہیں ہیں۔

بہت سے ستون پہاڑوں کی چٹان سے تراشے ہوئے ہیں۔ اور نیچے سے چھت کی بلندی تک ایک ہی تراشا ہوا ٹکڑا قائم کیا گیا ہے۔ اوپر کے حصوں کو سونے سے ملمع کیا ہوا۔ جس کی وجہ سے حسن منظر دوبالا ہو گیا۔

ابن زبالہ مورخ نے . . . . حرم شریف کے کل ستون ــــ ۲۹۶ شمار کئے ہیں اور ابن جبیر نے تعداد ــــ ۲۹۰ بیان کی ہے۔ ابن جبیر نے غالباً وہ چھ ستون نہیں بیان کئے جو قبر شریف والی دیوار میں ہیں

روضۃ الجنۃ کے چند مخصوص ستون

(جو عظمتوں اور برکتوں کا خزانہ ہیں)

ان مبارک ستونوں میں سے ایک ستون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی کی علامت ہے۔ ابن القاسم نے بیان کیا ہے کہ اسی ستون کو الاسطوان المخلّق بھی کہا جاتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے سے قریب تر ستون تھا۔ اور اسی کے قریب وہ کھجور کا درخت والا ستون حنّانہ تھا۔ جس کا سہارا لیکر آپ خطبہ دیا کرتے تھے۔ اب اس ستون پر اسطوانۃ عائشہ رضی اللہ عنہا لکھا ہوا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر اس ستون کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے۔ چنانچہ سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ اس کا اہتمام کرتے تھے کہ نماز اس ستون کے قریب پڑھیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ستون اسطوانۃ عائشہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کے برابر والا دوسرا ستون ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مسجد میں ایک ایسا ستون جانتی ہوں کہ اگر لوگ اس کی فضیلت و برکت کا اندازہ کر لیں تو اس تک پہنچنے کے لئے قرعہ اندازی کرنے لگیں۔ مراد یہی ستون تھا۔

زید بن اسلم سے منقول ہے کہ اس ستون کے سامنے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی رکھنے کی جگہ دیکھی۔ اور اسی کے قریب ابوبکرؓ کی اور پھر اسی

کے قریب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی۔ اور یہ مشہور ہے کہ یہ جگہ قبولیت دعا کی ہے۔

ان عظیم المرتبہ ستونوں میں سے ایک ستون اسطوانۃ ابی لبابہ بن عبد المنذر ہے جس کو اسطوانۃ التوبۃ کہا جاتا ہے۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ سے معافی کے طالب ہوتے ہوئے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ لیا تھا۔ یہاں تک کہ قرآن کریم میں اللہ نے ان کی توبہ کی قبولیت کی آیت نازل فرمائی۔ ان کی اور ان کے ساتھ حضرت کعب اور مرارہ تینوں کی بارگاہ رب العزت میں توبہ قبول ہوجانے کی بشارت نازل ہوئی۔

وعلی الثلثۃ الذین خلفوا حتیٰ اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم وظنوا ان لاملجأ من اللہ الا الیہ۔

ایک روایت میں ہے کہ دن رات روتے ہوئے گذرتا۔ کھانا پینا بھی بند کردیا۔ اور کہنے لگے خدا کی قسم میں نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا تا آنکہ یا تو میں مرجاؤنگا یا اللہ تعالےٰ مری توبہ قبول فرمالے۔ ان کی بیٹی نماز کے وقت ان کو کھول دیتی تھی۔ نماز سے فارغ ہوکر آتے اور خود ہی پھر اپنے آپ کو اسی ستون سے باندھ لیتے۔ یہی حال حوائج ضروریہ کے وقت ہوتا۔ سات روز اسی حال میں گذرے تھے کہ ضعف کی کوئی حد نہ رہی یہاں تک کہ غشی کھا کر گرنے لگے۔ اس پر حق تعالےٰ نے یہ آیات قبولیت توبہ کی نازل فرمائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور خود اپنے ہاتھ سے کھولا۔ تو اس مبارک ستون کا قرب اور اس کے سامنے نماز ادا کرنا اہل ایمان کے لئے یقیناً انہی برکات اور فضیلتوں کا باعث ہوگا۔ جو اللہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے واسطے فرمائیں۔ نیز

اس ستون کو دیکھ کر ہر مسلمان کو استغفار و توبہ کے لئے ایسی ہی تڑپ اور بے قراری کے ساتھ اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو کر گڑگڑانا چاہیئے جس طرح کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے تفصیل کے لئے کتب حدیث و تاریخ کی مراجعت فرمائی جائے۔

ان مبارک ستونوں میں سے ایک اسطوانۃ السریر بھی ہے۔ یہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی تھی۔ اور اس ستون کے سامنے آپ کا بستر مبارک ہوتا تھا۔

ایک ستون اسطوانۃ الوفود ہے۔ جہاں آپ وفود سے ملاقات فرماتے تھے۔ اور ایک اسطوانۃ المحرس ہے۔ اس کو اسطوانۃ علی ابن ابی طالب بھی کہتے ہیں۔

حجرہ مبارکہ کے نیچے حفاظتی خندق

حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عظمت و برتری بخشی ہے۔ اس کا تقاضہ تھا کہ آپ کے کسی دشمن کو آپ کی بے حرمتی پر کسی درجہ میں بھی قدرت نہ دی جائے۔

حفاظت الٰہیہ کے ایسے محیر العقول واقعات تاریخ میں واقع ہوئے ہیں۔ کہ آج بھی ان واقعات کو سن کر ہر شخص گویا آپ کے معجزات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ جمال الدین الاسنوی کے حوالہ سے سلطان نور الدین کے زمانہ کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو دو نصرانی بدبختوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے متعلق ناپاک ارادہ کیا تھا۔ بیان کیا کہ سلطان نور الدین نہایت عابد و

و زاہد اور تہجد گذار بادشاہ تھے۔ رات کا اکثر حصہ تہجد اور ذکر و تسبیح میں گذرتا تھا۔ ایک روز تہجد کے بعد کچھ دیر کے لئے سوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ اور فرمارہے ہیں۔ دو سرخ رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ کہ "مجھے ان دو آدمیوں سے بچاؤ" اور اس طرح فرمارہے ہیں گویا آپ پر فکر و پریشانی کے آثار ہیں۔ سلطان نورالدین گھبرائے ہوئے اٹھے۔ وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر سوئے تو بعینہ پھر خواب میں۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے ہوئے دیکھا۔ پھر بیدار ہوئے اور اضطراب و بے چینی میں وضو کر کے نماز پڑھی۔ پھر سوئے تو بعینہ پھر یہی دیکھا۔ تیسری مرتبہ اٹھے تو کہنے لگے یہ کوئی خواب نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے کوئی القا رہے۔ اسی وقت رات ہی میں اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو بلانے کیلئے قاصد بھیجا یہ نہایت صالح شخص ہے سلطان نے یہ تمام واقعہ وزیر جمال الدین موصلی سے بیان کیا تو وزیر نے کہا اب توقف کرنا اور بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں فوراً مدینہ منورہ پہنچنا چاہیے۔ اور کہا کہ آپ اپنا یہ خواب ہرگز کسی سے نہ بیان کریں۔۔ یہ سنتے ہی سلطان معہ اپنے بیس رفقاء تیز سواریوں پر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ سولہ روز کے سفر کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ وزیر نے اپنے ساتھ بہت سا مال بھی لیا۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے سلطان نے غسل کیا اور مدینہ میں داخل ہوتے ہی روضۂ اقدس پر حاضری دی۔ نماز پڑھی اور حضور پر تحیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کیا۔ اور روضۂ اقدس کی زیارت کر کے بیٹھے رہے۔ ابھی معلوم نہ تھا کہ کیا کرنا ہے۔

وزیر نے اعلان کیا جبکہ اہل مدینہ وہاں جمع تھے کہ سلطان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں اور اپنے ہمراہ بہت کچھ مال لے کر آئے ہیں تاکہ اہل مدینہ کو تقسیم کریں۔ اور ان کی اعانت کریں اس لئے جس

قدر لوگ یہاں مدینہ منورہ میں رہتے ہیں سب اپنا نام لکھوادیں۔ تاکہ سلطان اپنے ہاتھ سے ان کو تقسیم کریں۔ وزیر نے سلطان نورالدین کو یہ سب صورت حال بتا کر کہا کہ اب سلطان آنے والوں کو غور سے دیکھتے رہیں تاکہ اس حلیہ کے ان دونوں آدمیوں کو پہچان لیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کرکے یہ فرمایا ہے کہ "مجھے ان دو آدمیوں سے بچاؤ"

چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔ لوگ سلطان کے سامنے آتے رہے۔ اور ان کا وہ حلیہ نہ دیکھ کر سلطان ان کو مال دیتے رہے اور وہ واپس جاتے رہے یہاں تک کہ سب اہل مدینہ ختم ہو گئے تو سلطان نے پوچھا کیا کوئی شخص ایسا رہ گیا ہے جس نے نہ لیا ہو۔ لوگوں نے جواب دیا نہیں۔ اب کوئی باقی نہیں رہا۔ سلطان نے کہا سوچو اور غور کرو شاید کوئی رہ گیا ہو۔ اس پر لوگ کہنے لگے۔ بس صرف دو شخص رہ گئے ہیں جو مغربی باشندے ہیں وہ یہاں ایک عرصہ سے مقیم ہیں۔ نہایت نیک اور صالح ہیں بہت غنی شخص ہیں کسی سے کچھ نہیں لیتے بلکہ بہت صدقہ وخیرات کرتے ہیں غریبوں کی بڑی مدد کرتے ہیں۔ سلطان یہ سنکر منشرح ہوئے اور فرمایا ان دونوں کو میرے سامنے لیکر آؤ۔ ان دو آدمیوں کو جب سلطان کے سامنے لایا گیا تو دیکھا یہ بالکل وہی دو شخص ہیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرکے فرمارہے تھے کہ مجھے ان دونوں سے بچاؤ۔

سلطان نے ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو کہاں کے ہو۔ بتایا کہ ہم بلاد مغرب کے ہیں حج کے لئے آئے ہیں، ہم نے اس سال یہ ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قیام کرلیں۔ سلطان نے کہا سچ سچ بتاؤ۔ وہ اسی بات پر قائم رہے تو فرمایا تمہارا مکان کہاں ہے۔ انہوں نے ایک رباط کا

پتہ بتا تا جو حجرہ شریفہ کے قریب واقعہ تھا۔ سلطان کے حکم سے ان کو تو پکڑ لیا گیا۔ اور خود ان کے گھر پہنچے وہاں دیکھا کہ بہت کچھ مال اور دینار اور درہم ہیں اور بہت سی کتابیں بھی اور کچھ اوراد و وظائف کے مجموعے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آیا۔ اہل مدینہ ان لوگوں کی تعریف کرتے رہے اور کہنے لگے یہ لوگ تو نہایت نیک ہیں ہمیشہ روزے دار رہتے ہیں۔ پابندی سے حرم شریف اور روضۂ اقدس پر حاضر رہتے ہیں۔ ہر صبح بقیع جاتے ہیں اور ہر سنیچر کے روز قبا کی حاضری دیتے ہیں۔ نہایت کریم ہیں کوئی سائل و محتاج آتا ہے تو اس کو واپس نہیں لوٹاتے۔

سلطان نے یہ سب کچھ سن کر کہا سبحان اللہ۔ اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ نہایت فکر و تشویش کی حالت میں تمام گھر کا چکر لگانے لگے۔ اور ایک ایک چیز پر تجسس کی نظر ڈالتے رہے۔ اسی حالت میں ایک چٹائی نظر پڑی۔ سلطان نے اس کو اپنی جگہ سے ہٹایا تو اس کے نیچے دیکھا کہ ایک خندق کھودی ہوئی ہے جس کا سلسلہ حجرہ مبارکہ کی طرف جا رہا ہے۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور کانپ اٹھے۔ ان دونوں آدمیوں کو پکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ فرمایا سچ سچ اپنا حال بیان کر دو۔ اور ان کو بے حد مارا گیا۔ جلاد نے ان پر درے برسانے شروع کر دئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اعتراف کیا کہ ہم نصرانی ہیں۔ ہم کو عیسائیوں نے مغربی حجاج کے روپ میں بہت سامال و دولت دیکر بھیجا اور مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی حیلہ اور تدبیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر آپ کو وہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ یا جو کچھ بھی ممکن ہو سکے

تو یہ دو شخص اسی ناپاک اور خبیث ارادہ کو لیکر حجرہ مبارکہ کے قریب جگہ حاصل کر کے مقیم ہوئے۔ اور رات بھر کھدائی کرتے۔ ہر ایک کے

پاس چمڑے کا ایک لمبا سا تھیلہ تھا۔ اس میں مٹی کو بڑی حفاظت سے بھرتے اور رات بھر کی کھدائی سے جس قدر مٹی ہوتی وہ اس میں محفوظ کر کے ہر ایک اپنی پشت پر وہ تھیلہ لادکر بقیع قبرستان صبح ہی نکل جاتا اور قبروں کے درمیان وہ مٹی ڈال دیتے۔ اور خالی تھیلے لاکر پھر رات بھر یہی عمل کرتے۔ اور صورت یہ اختیار کرتے کہ جنت البقیع میں زیارت کے لئے روز حاضر ہوتے ہیں بیان کیا گیا کہ جب یہ لوگ خندق کھودتے کھودتے حجرہ مبارک کے قریب پہنچے تو ناگہاں آسمان سے ایک ہیبت ناک گرج سنائی دی۔ اور اس قدر سخت زلزلہ کا جھٹکا واقع ہوا۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ مدینہ کے پہاڑ اکھڑ جائیں گے اور گر پڑیں گے۔ اتفاق یہ کہ سلطان نورالدین کی مدینہ منورہ میں آمد اسی رات میں ہوئی جس میں یہ گرج اور بجلی اور زلزلہ کا حادثہ پیش آیا۔

سلطان خداوند عالم کی اس قدرت اور کارسازی کو دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ اور ان دونوں خبیثوں کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اور ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کے متصل بقیع والی سمت میں جنگلہ کے نیچے لے جا کر ذبح کیا۔ جو سمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی طرف ہے۔ اور اس کے بعد حجرہ مبارکہ کے چاروں طرف نہایت گہری خندق کھدوائی حتیٰ کہ پانی نکل آیا اور اس میں سیسہ بھروایا۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ سلطان نورالدین محمود زنگی کا یہ واقعہ ۵۵۷ھ ہجری میں پیش آیا۔ سلطان سے ملاقات کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کی روایات مزید وفاء الوفاء میں بیان کی ہیں۔ اور یہ بھی تصریح کی کہ سلطان نے یہ خواب ایک رات میں تین مرتبہ دیکھا۔ علامہ ابن الاثیر نے بیان کیا ہے کہ میں نے سلاطین و ملوک کی تاریخ کا مطالعہ کیا لیکن خلفاء راشدین

اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم کے بعد سلطان نور الدین جیسا عادل، متقی اور عابد و زاہد بادشاہ نہیں گذرا۔ بعض مورخین نے ان کو اولیائے عارفین میں شمار کیا ہے۔ جن کی وفات مقام حلب میں ۵۶۹ھ ہجری میں ہوئی۔

علامہ زین الدین مراغی نے بحوالہ تاریخ بغداد ابن النجار اس واقعہ کے چالیس سال بعد اسی کے قریب اور واقعہ نقل کیا ہے۔ جس میں یہ ذکر کیا گیا کہ ایک گروہ ایسے ہی ناپاک ارادہ سے حرم شریف میں داخل ہوا تو زمین شق ہوئی اور وہ تیس چالیس آدمی زمین میں دھنس گئے۔ اور ان میں کسی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔۔۔ ظاہر ہے کہ جس خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کی حفاظت کا وعدہ قرآن کریم میں یہ آیت نازل کر کے فرما دیا۔ **واللہ یعصمک من الناس** ۔ اس جلیل القدر پیغمبر کی بے حرمتی کیونکر ممکن ہے۔

اس مختصر تحریر میں تاریخ کعبہ اور حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ضروری پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ کلام کیا گیا۔ انشاء اللہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مفصل تاریخ پر اللہ نے توفیق عنایت فرمائی تو ایک کتاب حضرات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کروں گا۔

خداوند عالم رب البیت العتیق اپنے بیت محترم اور اپنے حبیب پاک کے طفیل ان چند سطور کو قبول فرما کر ذریعہ نجات و مغفرت بنائے اور روز محشر سرور کائنات شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین ۔ یا رب العالمین

ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

حسبنا اللہ ونعم الوکیل والحمد للہ رب العالمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ صفوۃ البریۃ سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین آمین یارب العالمین ٭

بندہ ناچیز محمد مالک کاندھلوی

خادم حدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہٰ یار

یوم الخمیس بعد الفراغ من صلوٰۃ الظہر

۱۸ر جمادی الاول ۱۳۹۰ھ ہجری

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

رونقِ بزمِ دودۂ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناسِ منزلِ وحدت جلوہ نمائے نورِ حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

خیر ممثّل فضل مجسم صورتِ احسان پیکرِ رحمت
آیۂ لطفِ ربک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہو گئی اس پر ختم رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰؑ عمراں عیسیٰؑ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

خیلِ ملک تھا اس کے جلو میں یعنی قضا کا رخش تھا رو میں
تاکہ جہاں ہو درہم و برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوتِ کبریٰ تھی وہ اک اس کی مشق بسر پا
گردنِ ہرقل جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی
جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاجِ سکندر فرِّ دارا
کوکبۂ کے مرتبہ جم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے حبیب اونچا پایا ہے اس کا اور ترے سر پر سایہ ہے اس کا
ملّتِ بیضا پھر تجھے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم

(مولانا ظفر علی خاں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ضمیمہ کتاب تاریخ حرمین

سرزمین مکہ کی حرمت و فضیلت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا۔

کہ بے شک یہ شہر (مکہ مکرمہ) اللہ نے اس کو حرم بنایا ہے اسی وقت سے جب سے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ تو یہ اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرم (اور قابل احترام) ہے قیامت کے دن تک۔ اب نہ اس کے گھاس اور کانٹوں کو کاٹا جائیگا اور نہ اس کا شکار بدکایا جائیگا اور نہ اس میں گری پڑی چیز کو بطور لقطہ اٹھایا جائیگا بجز اس شخص کے کہ جو اس کا اعلان کرنے والا ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ کسی ایسے شخص کیلئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں ہے کہ اس حرم میں کسی شخص کا خون بہائے۔ یا کسی درخت کو کاٹے۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ امت اس وقت تک خیر کے ساتھ رہے گی جب تک کہ

اس حرم کی تعظیم وحرمت کو برقرار رکھے گی۔ اور جب اس کی حرمت وعظمت کو ضائع کر دے گی تو ہلاک ہوجائے گی۔

بیت اللہ کا دیکھنا بھی عبادت ہے

حق تعالیٰ شانہٗ نے بیت اللہ کی طرف نظر کرنے اور دیکھنے کو بھی عبادت کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے بیت عظیم کا دیدار بہترین عبادت ہونی ہی چاہیئے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے "النظر الی البیت الحرام عبادۃ۔ کہ بیت اللہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

اور ایک سند سے یہ لفظ منقول ہیں کہ کعبۃ اللہ کو ایمان واخلاص یعنی عظمت کے جذبات کے ساتھ دیکھنا بمنزلہ نماز کے ہے۔ اور فرمایا جو شخص اس جذبہ اور کیفیت کے ساتھ خانہ کعبہ کا دیدار کرنے والا ہوگا وہ اس مجاہد اور عابد وزاہد انسان کے درجہ میں ہوگا جو دن کو روزہ دار اور شب میں تہجد گذار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے صلحاء اور علماء کو حرم مکہ میں دیکھا گیا کہ طویل ساعتوں تک نظر میں جمائے بیت اللہ کو دیکھتے رہتے ہیں۔ اور مومن جب بھی بیت اللہ کے درو دیوار پر نظر ڈالے گا اس کو عجیب انوار وبرکات محسوس ہوں گے۔

طواف کعبہ کا ثواب

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من طاف بالبیت کتب اللہ عز وجل لہ بکل خطوۃ حسنۃ و

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص بیت اللہ کا طواف کرے اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر ایک نیکی

مَحَاعَنْهُ سَيِّئَةً ۔ (جامع ترمذی) لکھتا ہے اور ہر قدم پر ایک گناہ مٹاتا ہے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ لفظ مذکور ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگائے اور اس میں کوئی کلام نہ کرے بجز اس کے کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (یا ایسے ہی دیگر اذکار و تسبیحات) تو اس کے واسطے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور دس گناہ معاف کر دئیے جائیں گے اور دس درجے اس کے بلند کر دئیے جائیں گے اور جب تک وہ بیت اللہ کا طواف کرتا رہے گا تو ایسا ہوگا جیسا کہ کسی شخص کے قدم پانی میں ڈوبے ہوئے ہوں تو اسی طرح یہ شخص گویا رحمت کے پانی میں اپنے قدموں کو داخل کئے ہوئے ہے۔

رکن یمانی کی فضیلت !

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ رکن یمانی پر اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو شخص (دوران طواف) یہاں یہ کہتا ہے:۔ اللّٰھُمّ انی اسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والاٰخرۃ ربنا اٰتنا فی الدّنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ تو یہ ستر ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔
(سنن ابن ماجہ)

ف سنن ابن ماجہ ۱۲ ع ف اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری مہربانی اور درگذر کا اور عافیت کا دنیا اور آخرت میں اور اے اللہ تو ہم کو عطا فرما بہتر حالت دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے ۱۲

حجر اسود کی فضیلت

حجر اسود کی فضیلت کے بارہ میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا یہی کچھ کم نہیں کہ وہ جنت کا ایک یاقوت ہے جو دنیا میں اتارا گیا ہے۔

ابن عمر کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکن یمانی اور حجر اسود کا چھونا خطاؤں کے لئے کفارہ اور گناہوں کی معافی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من فاوض یدہ الی الحجر الاسود فانما یفاوض ید الرحمن۔ (ابن ماجہ)	کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا ہاتھ حجر اسود تک پہنچاتا ہے گویا وہ اپنا ہاتھ پروردگار رحمٰن تک پہنچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

اور بعض روایات میں یہ لفظ ہیں کہ گویا وہ رب العالمین سے مصافحہ کر رہا ہے۔ (سبحان اللہ کیسی عظمت و برتری ہے۔)

حاکم نے مستدرک میں ایک روایت عبداللہ بن عمرؓ سے تخریج کی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

استقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر ثم وضع شفتیہ علیہ وبکی طویلا ثم التفت ماذا ھو بعمر بن الخطاب یبکی فقال ھنا تسکب العبرات۔	کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کے سامنے تشریف لائے اور اپنے دونوں ہونٹوں کو حجر اسود پر رکھا (اس کو چومتے تھے) اور دیر تک آپ روتے رہے پھر آپ نے نظر پھرا کر دیکھا تو عمر فاروق کو کہ وہ بھی رو رہے ہیں۔ آپ نے عمر فاروق کی طرف نظر فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا یہ جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جائیں۔

مدینہ منورّہ کی حرمت وفضیلت

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

المدینۃ حرام ما بین عیر	مدینہ عیر اور ثور پہاڑیوں کے درمیان
الی ثور فمن احدث فیہا	حرم ہے پس جو شخص اس جگہ کسی بدعت کو
حدثا او اوی محدثا فعلیہ	جاری کرے یا مبتدع کو اس میں جگہ دے اس
لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس	پر خدا کی لعنت ہو اور اس کے فرشتوں کی
اجمعین (بخاری و مسلم)	اور تمام انسانوں کی ۔

حدیث میں ہے آپ نے فرمایا اے اللہ ابراہیمؑ تیرے بندے اور خلیل اور نبی ہیں۔ اور اے اللہ میں بھی تیرا بندہ اور پیغمبر ہوں ۔ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے دعا برکت فرمائی تھی اور میں اے اللہ تجھ سے دعا کرتا ہوں مدینہ کے لئے ایسی ہی برکت وخیر کی جو ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی ۔ بلکہ میں اس سے دو چند خیر و برکت کی ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور بعض صحابہ اور ابوبکر صدیق و بلال رضی اللہ عنہما کو شدید بخار ہوا تو آپ نے فرمایا اے اللہ تو مدینہ ہمارے واسطے محبوب بنا دے اور اس کی محبت ہمارے دلوں میں قائم فرما دے جیسا کہ ہمیں مکہ محبوب ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔

اور اے اللہ اس کی آب و ہوا کو بہتر فرما دے اور اس کے پھلوں میں اور پیمانے میں برکت دے ۔

سر زمین مدینہ منورہ کے فضائل ایک مستقل موضوع ہے ۔ مفصل تالیف اعد

ضخیم کتاب ہی اس کو قارئین کرام کے سامنے پیش کر سکتی ۔ یہاں صرف یہ ایک لفظ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر دینا کافی ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

ومن سکن المدینۃ وصبر علیٰ بلائہا وشدتہا کنتُ لہ شہیدا وشفیعا یوم القیامۃ ۔	کہ جو شخص مدینہ کی سکونت اختیار کرے اور اس کی مشقتوں کو اور (دوسری) تکلیفوں کو برداشت کرے تو میں اس کے واسطے قیامت کے روز گواہ ہوں گا اور شفیع ہوں گا ۔

دعا ہے کہ خداوند عالم سب اہل ایمان کو حرمین شریفین کی حاضری و زیارت اور حبیب پاک سرور کائنات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مبارک سرزمین مدینہ منورہ کی حاضری نصیب فرمائے آمین یارب العالمین ۔

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔

بندہ ناچیز محمد مالک کاندھلوی غفر اللہ لہٗ

قال الله تعالى في كتابه الكريم
بسم الله الرحمن الرحيم
جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس
ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا
صدق الله العظيم
قال عليه الصلاة والسلام
ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة
صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام
١٣٨٦